اس شمارے میں

حرفِ اوّل

نذرِ قارئین	حافظ عاطف وحید	2

مطالعۂ قرآن حکیم

تعارفِ قرآن (۵)	ڈاکٹر اسرار احمد	3

فہم القرآن

ترجمہ قرآن مجید، مع صرفی ونحوی تشریح	لطف الرحمٰن خان	26

نباتات قرآن

رُمّان (انار)	سید قاسم محمود	39

حکمت نبویؐ

نجات کا راستہ	پروفیسر محمد یونس جنجوعہ	43

اسلامی معاشرت

اسلام میں زوجین کے حقوق	الشیخ محمود احمد یاسین	47

تعارف و تبصرہ

	پروفیسر محمد یونس جنجوعہ	62

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا

(البقرہ: ۲۶۹)

ماہنامہ

حِکمتِ قرآن

لاہور

بیادگار: ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

مدیر اعزازی: ڈاکٹر ابصار احمد

مدیر منتظم: حافظ عاکف سعید

نائب مدیر: حافظ خالد محمود خضر

ادارہ تحریر:
حافظ عاطف وحید
پروفیسر حافظ نذیر احمد ہاشمی۔ پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

جلد ۲۴ | ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ۔ مئی ۲۰۰۵ء | شمارہ ۵

یکے از مطبوعات
مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
۳۶۔ کے۔ ماڈل ٹاؤن۔ لاہور ۱۴۔ فون: ۵۸۶۹۵۰۱
ویب سائٹ: www.tanzeem.org

سالانہ زرِ تعاون: 100 روپے' فی شمارہ: 10 روپے

ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ: 700 روپے امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ: 900 روپے

حرفِ اوّل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حکمت قرآن کا ماہِ مئی کا شمارہ پیش خدمت ہے۔ ''تعارفِ قرآن'' کے عنوان سے محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے سلسلہ وار مضمون کی پانچویں قسط اس شمارے کی زینت ہے۔ یہ سلسلۂ مضامین محترم ڈاکٹر صاحب مدظلہٗ کے مطالعہ قرآن کا ''حاصل'' قرار دیے جا سکتے ہیں' اور قارئین حکمت قرآن کے لیے بیش قیمت تحفہ ہیں۔ اللہ نے چاہا تو مضامین کی اشاعت کی تکمیل کے بعد انہیں کتابی شکل میں بھی شائع کر دیا جائے گا۔

محترم لطف الرحمٰن خان صاحب کے ''ترجمۂ قرآن مجید مع صرفی ونحوی تشریح'' میں بھی قارئین کی دلچسپی میں مستقل اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ مضامین قرآن فہمی کے ضمن میں بہت مفید ثابت ہو رہے ہیں۔ محترم حافظ نذیر احمد ہاشمی صاحب کی نظر ثانی سے ان کی افادیت اور ثقاہت میں نمایاں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں حضرات کی کاوشوں کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین۔ محترم لطف الرحمٰن خان صاحب کچھ عرصہ سے علیل ہیں۔ قارئین حکمت قرآن سے ان کی صحت یابی کے لیے دعا کی درخواست ہے۔

دیگر مضامین کے علاوہ اس شمارے میں الشیخ محمود احمد یاسین کی مختصر مگر جامع تالیف ''حقوق الزوجین فی الاسلام'' کے اردو ترجمہ کی قسط اول شائع کی جا رہی ہے۔ یہ مضمون ان شاء اللہ العزیز آئندہ شمارے میں مکمل ہو جائے گا۔ یہ تحریر بھی اسلام کے سماجی نظام کی مستند تعبیر پیش کرتی ہے اور خانگی معاملات کے ضمن میں اہم امور کی وضاحت پر مشتمل ہے۔

اہل علم حضرات اس امر سے واقف ہیں کہ ماہنامہ حکمت قرآن ایک غیر سیاسی اور غیر مسلکی مجلّہ ہے۔ اس کے مشمولات کا نمایاں حصہ قرآنی علوم کی ترویج واشاعت پر مشتمل ہے۔ اس سنجیدہ اور علمی مجلّے کے صفحات بلند خیال اور رسوخ فی العلم رکھنے والے مصنفین اور محققین کے علمی مضامین کے لیے حاضر ہیں۔ اہل علم حضرات کے تعاون سے حکمت قرآن کو ترقی اور قبولیت کی اعلیٰ منازل تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ ان شاء اللہ!

تعارفِ قرآن (۵)

از: ڈاکٹر اسرار احمد

فہمِ قرآن کے اصول

فہم قرآن کے سلسلہ میں درج ذیل عنوانات کی تفہیم ضروری ہے۔

۱) قرآن کریم کا اسلوبِ استدلال

قرآن کے طالب علم کو جاننا چاہیے کہ قرآن کا اسلوبِ استدلال منطقی نہیں' فطری ہے۔ انسان جس فلسفے سے واقف ہے اس کی بنیاد منطق ہے۔ چنانچہ ہمارے فلاسفہ اور متکلمین استخراجی منطق (Deductive Logic) سے اعتناء کرتے رہے ہیں' جبکہ قرآن مجید نے اسے سرے سے اختیار نہیں کیا۔ وقتی تقاضے کے تحت ہمارے متکلمین نے اسے اختیار کرنے کی کوشش کی لیکن اس سے کوئی زیادہ فائدہ نہیں پہنچ پایا۔ ایمانی حقائق کو جب استخراجی منطق کے ذریعے سے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تو یقین کم اور شک زیادہ پیدا ہوا۔ اس ضمن میں کانٹ کی بات حرفِ آخر کا درجہ رکھتی ہے' لہٰذا علامہ اقبال نے بھی اپنے خطبات کا آغاز اسی حوالے سے کیا ہے۔ کانٹ نے حتمی طور پر ثابت کر دیا کہ کسی منطقی دلیل سے خدا کا وجود ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ منطق میں اللہ کی ہستی کے اثبات کے لیے ایک دلیل لائیں گے تو منطق کی دوسری دلیل اسے کاٹ دے گی۔ منطق' منطق کو کاٹ دے گی۔ قرآن نے اگرچہ کہیں کہیں منطق کو استعمال تو کیا ہے لیکن وہ بھی منطقی اصطلاحات میں نہیں۔ قرآن مجید کا اسلوبِ استدلال فطری ہے اور اس کا انداز خطابی ہے۔ جیسے ایک خطیب جب خطبہ دیتا ہے تو جہاں وہ عقلی دلائل دیتا

ہے وہاں جذبات سے بھی اپیل کرتا ہے۔ اس سے اس کے خطبے میں گہرائی و گیرائی پیدا ہوتی ہے۔ ایک لیکچر میں زیادہ تر دارومدار منطق پر ہوتا ہے۔ یعنی ایسی دلیل جو عقل کو قائل کر سکے۔ لیکن شعلہ بیان خطیب انسان کے جذبات کو اپیل کرتا ہے۔ اس کو خطابی دلیل کہا جاتا ہے۔ یہی خطابی انداز اور استدلال قرآن نے استعمال کیا ہے۔

انسان کی فطرت میں کچھ حقائق موجود ہیں۔ قرآن کے پیش نظر ان حقائق کو ابھارنا مقصود ہے۔ یعنی انسان کو آمادہ کیا جائے کہ ع

''اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی!''

عقل اور منطق کا دائرہ تو بڑا محدود ہے۔ انسان اپنے اندر جھانکے تو اس کے اندر صرف عقل ہی نہیں ہے' کچھ اور بھی ہے۔ بقول علامہ اقبال ؎

ہے نورِ تجلی بھی اسی خاک میں پنہاں
غافل تو نرا صاحبِ ادراک نہیں ہے!

یہ جو اِس کے اندر ''کوئی اور'' شے بھی ہے' اسے اپیل کرنا ضروری ہے تاکہ انسان فطرت کی بنیاد پر اپنے اندر جھانکے اور محسوس کرے کہ ہاں یہ ہے! چاہے اس کے لیے کوئی منطقی دلیل بھی پیش کر دی جائے۔ یہ ہے درحقیقت قرآن کا فطری طرزِ استدلال۔ بعض مقامات پر ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے قرآن اپنے مخاطب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کچھ کہہ رہا ہے اور اسے توجہ دلا رہا ہے کہ ذرا غور کرو' سوچو' اپنے اندر جھانکو۔ جیسے سورۃ ابراہیم کی آیت ۱۰ میں فرمایا گیا: ﴿اَفِی اللّٰہِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ﴾ ''کیا اللہ کی ہستی میں کوئی شک ہے جو آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے؟'' یہاں کوئی منطقی دلیل نہیں ہے' لیکن مخاطب کو دروں بینی پر آمادہ کیا جا رہا ہے کہ اپنے اندر جھانکو' تمہیں اپنے اندر ثبوت ملے گا' تمہیں اپنے اندر اللہ کی ہستی کی شہادت ملے گی۔ سورۃ الانعام کی آیت ۱۹ میں ارشاد ہوا: ﴿اَئِنَّکُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰہِ اٰلِهَةً اُخْرٰی ؕ﴾ ''کیا تم واقعی اس بات کی گواہی دے رہے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی اور الٰہ بھی ہے؟'' یعنی تم یہ بات کہہ تو رہے ہو' لیکن ذرا سوچو تو سہی کیا کہہ رہے

ہو؟ کیا تمہاری فطرت اسے تسلیم کرتی ہے؟ اپنے باطن میں جھانکو' کیا تمہارا دل اس کی گواہی دیتا ہے؟ حالانکہ ظاہر ہے کہ وہ تو اِس کے مدعی تھے اور اپنے معبودانِ باطل کے لیے کٹ مرنے کو تیار تھے۔ اس خطابی دلیل کے پس منظر میں یہ حقیقت موجود ہے کہ تم جانتے ہو کہ یہ محض ایک عقیدہ (dogma) ہے جو چلا آ رہا ہے' تمہارے باپ دادا کی روایت ہے' اس کی حیثیت تمہارے نسلی اعتقادات (racial creed) کی ہے۔ قرآن مجید درحقیقت انسان کی فطرت کے اندر جو شے مضمر ہے اسی کو ابھار کر باہر لانا چاہتا ہے۔ چنانچہ قرآن کا اسلوبِ استدلال منطقی نہیں ہے' بلکہ فطری ہے۔ اس کو خطابی انداز کہا جائے گا۔

۲) قرآن حکیم میں محکم اور متشابہ کی تقسیم

سورۃ آل عمران کی آیت ۷ ملاحظہ کیجیے! ارشاد ہوا: ﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ﴾ ''وہی ہے (اللہ) جس نے (اے محمد ﷺ) آپ پر کتاب نازل کی' اس میں سے کچھ آیاتِ محکمات ہیں' وہی کتاب کی جڑ بنیاد ہیں اور دوسری متشابہ ہیں''۔ اس آیت میں لفظ کتاب دو دفعہ آیا ہے' دونوں کے مفہوم میں باریک سا فرق ہے۔ متشابہ ان معانی میں کہ ان کے اصل مفہوم کو سمجھنے میں اشتباہ ہو جاتا ہے' وہ آیاتِ متشابہات ہیں۔ آگے فرمایا: ﴿فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ۚ﴾ ''تو وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہ آیات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں (ان ہی پر غور و فکر اور ان ہی میں کھوج کرید میں لگے رہتے ہیں) اُن کی نیت ہی فتنہ اٹھانے کی ہے' اور وہ بھی ہیں جو اُس کا اصل مفہوم جاننا چاہتے ہیں''۔ ﴿وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ﴾ ''حالانکہ اس کے حقیقی معانی و مراد اللہ ہی جانتا ہے''۔ ﴿وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ﴾ ''البتہ جو لوگ علم میں پختگی کے حامل ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اس پوری کتاب پر (محکمات پر بھی اور متشابہات پر بھی)' یہ سب ہمارے ربّ کی طرف سے ہے''۔ ﴿وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝﴾

''لیکن نصیحت نہیں حاصل کرتے مگر وہی جو ہوش مند ہیں''۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان عقلمندوں اور ہوش مندوں میں شامل کرے' رَاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ میں ہمارا شمار ہو!

محکم اور متشابہ سے مراد کیا ہے؟ جان لیجیے کہ ''محکم قطعی'' یعنی وہ محکم جن کے قطعی ہونے میں نہ پہلے کوئی شبہ ہوسکتا تھا نہ اَب ہے' نہ آئندہ ہوگا' وہ تو قرآن حکیم کے اوامر و نواہی ہیں۔ یعنی یہ کرو' یہ نہ کرو' یہ حلال ہے' یہ حرام ہے' یہ جائز ہے' یہ ناجائز ہے' یہ پسندیدہ ہے' یہ ناپسندیدہ ہے' یہ اللہ کو پسند ہے اور یہ اللہ کو ناپسند ہے!

قرآن حکیم کا عملی حصہ درحقیقت محکمات ہی پر مشتمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس آیت میں کتاب کا لفظ دو مرتبہ آیا ہے۔ پہلے بحیثیت مجموعی پورے قرآن کے لیے فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ﴾ قرآن مجید کا جو حصہ عملی ہدایات پر مشتمل ہے اس کے لیے بھی لفظ ''کتاب'' مخصوص ہے۔ چنانچہ دوسری مرتبہ جو لفظ کتاب آیا ہے ﴿هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ﴾ وہ اسی مفہوم میں ہے۔ جہاں کوئی شے واجب کی جاتی ہے وہاں ''كُتِبَ'' کا لفظ آتا ہے۔ جیسے ﴿كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِتَالُ..... كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ..... كُتِبَ عَلَیْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ﴾ نماز کے بارے میں فرمایا: ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾ یہاں کتاب سے مراد وہ حکم ہے جو دیا گیا ہے' تو اِن معانی میں ﴿هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ﴾ سے مراد قانون' شریعت' عملی ہدایات' اوامر و نواہی ہیں اور اصل میں وہی محکمات ہیں۔

دائمی متشابہات عالمِ غیب اور اس کے ضمن میں عالمِ برزخ' عالمِ آخرت' عالمِ ارواح' ملائکہ کا عالم اور عالمِ امثال وغیرہ ہیں۔ یہ درحقیقت وہ دائرہ ہے جو ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے اور اس کی حقیقتوں کو کما حقہٗ اس زندگی میں سمجھنا محال اور ناممکن ہے۔ لیکن ان کا ایک علم دیا جانا ضروری تھا۔ مابعد الطبیعیات ایمانیات کے لیے ضروری ہے کہ اس سب کا ایک اجمالی خاکہ سامنے ہو۔ ہر انسان نے مرنا ہے' مرنے کے فوراً بعد عالمِ برزخ میں یہ کچھ ہونا ہے' بعث بعد الموت ہے' حشر نشر ہے' حساب کتاب ہے' جنت و دوزخ ہے۔ ان حقیقتوں کا اجمالی علم موجود نہ ہو تو بنیادی ضرورت کے طور پر

انسان کو جو فلسفہ درکار ہے وہ تو اس کو فراہم نہیں ہوگا۔ لیکن اِن حقیقتوں تک رسائی اس زندگی میں رہتے ہوئے ہمارے لیے ممکن نہیں' لہٰذا ان کا جو علم دیا گیا ہے وہ آیاتِ متشابہات ہیں' اور وہ دائماً متشابہات ہی رہیں گی۔ ہاں جب اُس عالم میں آنکھ کھلے گی تو اصل حقیقت معلوم ہوگی' یہاں معلوم نہیں ہوسکتی۔

البتہ متشابہات کا ایک دوسرا دائرہ ہے جو تدریجاً متشابہات سے محکمات کی طرف آ رہا ہے۔ وہ دائرہ مظاہرِ طبیعی (physical phenomena) سے متعلق ہے۔ آج سے ہزار سال پہلے اس کا دائرہ بہت وسیع تھا' آج یہ کچھ محدود ہوا ہے' لیکن اب بھی بہت سے حقائق ہم نہیں جانتے۔ سات آسمانوں کی حقیقت آج تک ہمیں معلوم نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کچھ آگے چل کر ہمارا میٹیریل سائنسز کا علم اس حد تک پہنچ جائے کہ معلوم ہو کہ یہ ہے وہ بات جو قرآن نے سات آسمانوں سے متعلق کہی تھی' لیکن اِس وقت یہ ہمارے لیے متشابہات میں سے ہے۔ اسی طرح ایک آیت ﴿كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ﴾ (یٰسٓ) (ہر شے اپنے اپنے مدار میں تیر رہی ہے) اس کو پہلے انسان نہیں سمجھ سکتا تھا' لیکن آج یہ حقیقت محکم ہو کر سامنے آ گئی ہے کہ ع

''لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرّے کا دل چیریں!''

اگر آپ نظامِ شمسی کو دیکھیں تو ہر چیز حرکت میں ہے۔ کہکشاں کو دیکھیں تو ہر شے حرکت میں ہے۔ کہکشائیں ایک دوسرے سے دُور بھاگ رہی ہیں' فاصلہ بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ ایک ذرے (atom) کا مشاہدہ کریں تو اس میں الیکٹرون اور پروٹون حرکت میں ہیں۔ گویا ہر شے حرکت میں ہے۔ آج سے کچھ عرصہ قبل یہ بات متشابہات میں تھی' آج وہ محکمات کے دائرے میں آ گئی ہے۔ چنانچہ بہت سے وہ سائنسی حقائق جو ابھی تک انسان کو معلوم نہیں ہیں اور ان کے حوالے قرآن میں ہیں' وہ آج کے اعتبار سے تو متشابہات میں شمار ہوں گے لیکن انسان کا فزیکل سائنسز کا علم آگے بڑھے گا تو وہ تدریجاً متشابہات کے دائرے سے نکل کر محکمات کے دائرے میں آ جائیں گے۔

۳) تفسیر اور تاویل کا فرق

تفسیر اور تاویل دونوں لفظ قرآن مجید میں آئے ہیں۔ سورۃ آل عمران کی متذکرہ بالا آیت میں ارشاد ہوا: ﴿وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللّٰهُ﴾ ''اس کی تاویل کوئی نہیں جانتا مگر اللہ''۔ تفسیر کا لفظ قرآن مجید میں سورۃ الفرقان میں آیا ہے: ﴿وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا﴾ ''اور نہیں لاتے وہ آپ کے سامنے کوئی نرالی بات مگر ہم پہنچا دیتے ہیں (اس کے جواب میں) آپ کو ٹھیک بات اور بہترین طریقے سے بات کھول دیتے ہیں''۔ یہ لفظ قرآن میں ایک ہی مرتبہ آیا ہے' جبکہ تاویل کا لفظ سترہ (۱۷) بار آیا ہے۔ اس کے کچھ اور مفاہیم بھی ہیں اور قرآن کے علاوہ کچھ اور چیزوں پر بھی اس کا اطلاق ہوا ہے۔ تفسیر اور تاویل میں فرق کیا ہے؟ تفسیر کا مادہ ''ف' س' ر'' ہے۔ یہ گویا ''سفر'' کی منقلب شکل ہے۔ سفر بمعنی Journey بھی ہے ——— اور اس کا مطلب روشنی بھی ہے' کتاب بھی ہے۔ حروف ذرا آگے پیچھے ہو گئے ہیں' لفظ ایک ہی ہے۔ تفسیر کا معنی ہے کسی شے کا کھولنا' واضح کر دینا' کسی شے کو روشن کر دینا' لیکن یہ زیادہ تر مفردات اور الفاظ سے متعلق ہوتی ہے' جبکہ تاویل بحیثیت مجموعی کلام کا اصل مدلول ہوتی ہے کہ اس سے مراد کیا ہے' اس سے اصل مقصود کیا ہے' اس کی اصل حقیقت کیا ہے۔ لہٰذا زیادہ تر یہی لفظ قرآن کے لیے مستعمل ہے۔ اگرچہ ہمارے ہاں اردو دان لوگ زیادہ تر لفظ تفسیر استعمال کرتے ہیں کہ فلاں آیت کی تفسیر' فلاں لفظ کی تفسیر' لیکن اس کے لیے قرآن کی اصل اصطلاح تاویل ہی ہے اور حدیث میں بھی یہی لفظ آیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے حضور ﷺ کی دعا منقول ہے: ((اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَعَلِّمْهُ التَّاوِيْلَ)) یعنی اے اللہ! اس نوجوان کو دین کا فہم اور تفقہ عطا فرما اور تاویل کا علم عطا فرما! چنانچہ کلام کی اصل حقیقت' اصل مراد' اصل مطلوب' اصل مدلول کو پا لینا تاکہ انسان اصل مقصود تک پہنچ جائے' اسے تاویل کہتے ہیں۔ ع

''جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا!''

اُوَل کا مادہ عربی زبان میں کسی شے کی طرف لوٹنے کے مفہوم میں آتا ہے۔ اسی لیے لوگ کہتے ہیں ہم فلاں کی آل ہیں' یعنی وہ کسی بڑی شخصیت کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں۔ ''آلِ فرعون'' کا مطلب فرعون کی اولاد نہیں ہے' بلکہ ''فرعون والے' فرعونی'' ہے۔ وہ فرعون ہی کی اطاعت کرتے تھے اور اسی کو اپنا معبود یعنی حاکم اور پیشوا سمجھتے تھے۔ اسی معنی میں کسی عبارت کو اُس کے اصل مفہوم کی طرف لوٹانا تاویل ہے۔ تفسیر اور تاویل کے مابین اس فرق کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔

۴) تاویلِ عام اور تاویلِ خاص

قرآن حکیم کی کسی ایک آیت یا چند آیات کے مجموعے یا کسی خاص مضمون جو چند آیات میں مکمل ہو رہا ہے' پر غور کرنے میں دو مرحلے ہمیشہ پیش نظر رہنے چاہئیں: ایک تاویل خاص' دوسرے تاویل عام۔ اس سلسلہ میں یاد رہے کہ قرآن حکیم زمان و مکان کے ایک خاص تناظر میں نازل ہوا ہے۔ اس کا زمانۂ نزول ۶۱۰ء سے ۶۳۲ء کے عرصے پر محیط ہے اور اس کے نزول کی جگہ سرزمین حجاز ہے۔ اس کا ایک خاص پس منظر ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اگر اُس وقت اور اُس علاقے کے لوگوں کے عقائد و نظریات اور ان کی ذہنی سطح کو ملحوظ نہ رکھا جاتا تو ان تک ابلاغ ممکن ہی نہیں تھا۔ وہ تو اُمّی تھے' پڑھے لکھے نہ تھے۔ اگر انہیں فلسفہ پڑھانا شروع کر دیا جاتا' سائنسی علوم کے بارے میں بتایا جاتا تو یہ باتیں اُن کے سروں کے اوپر سے گزر جاتیں۔ قرآنی آیات تو ان کے دل و دماغ میں پیوست ہو گئیں' کیونکہ براہِ راست ابلاغ تھا' کوئی barrier موجود نہیں تھا۔ تو قرآن حکیم کا یہ شانِ نزول ذہن میں رکھیے۔ ویسے تو ''شانِ نزول'' کی اصطلاح کسی خاص آیت کے لیے استعمال ہوتی ہے' لیکن ایک خاص time and space complex میں قرآن حکیم کا ایک مجموعی شانِ نزول ہے جس میں یہ نازل ہوا۔ وہاں کے حالات' اس عرصے کے واقعات' ان حالات میں تدریجاً جو تبدیلی ہوئی' پھر کون لوگ اس کے مخاطب تھے' مکّے والوں کے عقائد' ان کی رسمیں ریتیں' ان کے نظریات' ان کے مسلّمات' ان کی دلچسپیاں..... جب قرآن کو اس سیاق و سباق

(context) میں رکھ کر غور کریں گے تو یہ تاویل خاص ہوگی۔ اسی میں آپ مزید تفصیل میں جائیں گے کہ فلاں آیت کا واقعاتی پس منظر کیا ہے۔ یعنی قرآن مجید کی کسی آیت یا چند آیات پر غور کرتے ہوئے اوّلاً اس کو اس کے context میں رکھ کر غور کرنا کہ جب یہ آیات نازل ہوئیں اس وقت لوگوں نے ان کا مفہوم کیا سمجھا' یہ تاویل خاص ہوگی۔ البتہ قرآن مجید چونکہ نوعِ انسانی کی ابدی ہدایت کے لیے نازل ہوا ہے' صرف خاص فلاں علاقے اور خاص زمانے کے لوگوں کے لیے تو نازل نہیں ہوا' لہٰذا اس میں ابدی ہدایت ہے' اس اعتبار سے تاویل عام کرنا ہوگی۔

تاویل عام کے اعتبار سے الفاظ پر غور کریں گے کہ الفاظ کیا استعمال ہوئے ہیں۔ یہ الفاظ جب ترکیبوں کی شکل اختیار کرتے ہیں تو کیا ترکیبیں بنتی ہیں۔ پھر آیات کا باہمی ربط کیا ہے' سیاق وسباق کیا ہے؟ یہ آیات جس سورۃ میں آئیں اس کا عمود کیا ہے' اس سورۃ کا جوڑا کون سا ہے' یہ سورۃ کس سلسلۂ سُوَر کا حصہ ہے۔ پھر وہ سورتیں مکی اور مدنی کون سے گروپ میں شامل ہیں' ان کا مرکزی مضمون کیا ہے؟ اس پس منظر میں ایک سیاق وسباق متن (text) کا ہوگا' جس سے ہمیں تاویلِ عام معلوم ہوگی اور ایک سیاق وسباق واقعات کا ہوگا' جس سے ہمیں ان آیات کی تاویلِ خاص معلوم ہوگی۔

اگر ہم قرآن مجید کی موجودہ ترتیب کے اعتبار سے آیات پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ جس ترتیب سے اِس وقت قرآن مجید موجود ہے اصل حجت یہی ہے' یہی اصل ترتیب ہے' یہی لوحِ محفوظ کی ترتیب ہے۔ تاویل عام کے اعتبار سے ایک اصولی بات یاد رکھیں: الاعتبار لعموم اللفظ لا لخصوص السبب۔ یعنی اصل اعتبار الفاظ کے عموم کا ہوگا نہ کہ خاص شانِ نزول کا۔ دیکھا جائے گا کہ جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان کا مفہوم ومعنیٰ' نیز مدلول کیا ہے۔ کلامِ عرب سے دلائل لائے جائیں گے کہ وہ انہیں کن معانی میں استعمال کرتے تھے۔ اُس لفظ کے عموم کا اعتبار ہوگا نہ کہ اُس کے شانِ نزول کا۔ لیکن اس کا یہ معنی بھی نہیں کہ اسے بالکل نظر انداز کر دیا جائے۔ سب سے مناسب بات یہی ہوگی کہ پہلے اس کی تاویل خاص پر غور کریں اور پھر اس کے ابدی سرچشمۂ

ہدایت ہونے کے ناطے اس کے عموم پر غور کریں۔ اس اعتبار سے تاویل خاص اور تاویل عام کے فرق کو ذہن میں رکھیں۔

۵) تذکر و تدبر

تذکر اور تدبر دونوں الفاظ الگ الگ تو بہت جگہ آئے ہیں' سورۃ صٓ کی آیت ۲۹ میں یکجا آ گئے ہیں: ﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ ''یہ ایک بڑی برکت والی کتاب ہے جو (اے نبیؐ) ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے تاکہ یہ لوگ اس کی آیات پر غور کریں اور عقل و فکر رکھنے والے اس سے سبق لیں''۔ ان دونوں کا مطلب کیا ہے؟ ایک ہے قرآن مجید سے ہدایت اخذ کر لینا' نصیحت حاصل کر لینا' اصل حاصل کو لینا' جس کو کہ مولانا روم نے کہا ع ''ماز قرآں مغز ہا برداشتیم'' یعنی قرآن کا جو اصل مغز ہے وہ تو ہم نے لے لیا۔ اس کا اصل مغز ''ہدایت'' ہے۔ اس مرحلے پر قرآن جو لفظ استعمال کرتا ہے وہ ''تذکر'' ہے۔ یہ لفظ ذکر سے بنا ہے۔ تذکر یا دد ہانی کو کہتے ہیں۔ اب اس کا تعلق اسی بات سے جڑ جائے گا جو قرآن کے اسلوبِ استدلال کے ضمن میں پہلے بیان کی جا چکی ہے۔ یعنی قرآن مجید جن اصل حقائق (مابعد الطبیعیاتی حقیقتوں) کی طرف راہنمائی کرتا ہے وہ فطرتِ انسانی میں مضمر ہیں' ان پر صرف ذہول اور نسیان کے پردے پڑ گئے ہیں۔ مثلاً آپ کو کوئی بات کچھ عرصہ قبل معلوم تھی' لیکن اب اس کی طرف دھیان نہیں رہا اور وہ آپ کی یادداشت کے ذخیرے میں گہری اتر گئی ہے اور اب یاد نہیں آتی' لیکن کسی روز اُس کی طرف کوئی ہلکا سا اشارہ ملتے ہی آپ کو وہ پوری بات یاد آ جاتی ہے۔ جیسے آپ کا کوئی دوست تھا' کسی زمانے میں بے تکلفی تھی' صبح شام ملاقاتیں تھیں' اب طویل عرصہ ہو گیا' کبھی اس کی یاد نہیں آئی۔ ایسا نہیں کہ آپ کو یاد نہیں رہا' بلکہ ذہول ہے' نسیان ہے' توجہ اُدھر نہیں ہے' کبھی ذہن اُدھر منتقل ہی نہیں ہوتا۔ لیکن اچانک کسی روز آپ نے اپنا ٹرنک کھولا اور اس میں سے کوئی قلم یا رومال جو اُس نے کبھی دیا ہو برآمد ہو گیا تو فوراً آپ کو اپنا وہ دوست یاد آ جائے گا۔ یہ phenomenon تذکر ہے۔ تذکر کا

مطلب تعلّم نہیں ہے۔ تعلّم علم حاصل کرنا یعنی نئی بات جاننا ہے' جبکہ تذکر پہلے سے حاصل شدہ علم جس پر ذہول اور نسیان کے جو پردے پڑ گئے تھے' ان کو ہٹا کر اندر سے اسے برآمد کرنا ہے۔ فطرتِ انسانی کے اندر اللہ کی محبت' اللہ کی معرفت کے حقائق مضمر ہیں۔ یہ فطرت میں موجود ہیں' صرف اُن پر پردے پڑ گئے ہیں' دنیا کی محبت غالب آ گئی ہے۔

دنیا نے تیری یاد سے بیگانہ کر دیا
تجھ سے بھی دلفریب ہیں غم روزگار کے! (فیضؔ)

یہاں کی دلچسپیوں' مسائل' مشکلات' مصروفیات' مشاغل کی وجہ سے ذہول ہو گیا ہے' پردہ پڑ گیا ہے۔ تذکر یہ ہے کہ اس پردے کو ہٹا دیا جائے۔ ع

سرکشی نے کر دیے دھندلے نقوشِ بندگی
آؤ سجدے میں گریں' لوحِ جبیں تازہ کریں! (حفیظؔ)

یادداشت کو recall کرنا اور اپنی فطرت میں مضمر حقائق کو اجاگر کر لینا تذکر ہے۔ قرآن کا اصل ہدف یہی ہے اور اس اعتبار سے قرآن کا دعویٰ سورۃ القمر میں چار مرتبہ آیا ہے: ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ ''ہم نے قرآن کو تذکر کے لیے بہت آسان بنا دیا ہے' تو کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا؟'' اس کے لیے بہت گہرائی میں غوطہ زنی کرنے کی ضرورت نہیں ہے' بہت مشقت و محنت مطلوب نہیں ہے۔ انسان کے اندر طلبِ حقیقت ہو اور قرآن سے براہِ راست رابطہ (Communication) ہو جائے تو تذکر حاصل ہو جائے گا۔ اس کی شرط صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ انسان کو اتنی عربی ضرور آتی ہو کہ وہ قرآن سے ہم کلام ہو جائے۔ اگر آپ ترجمہ دیکھیں گے تو کچھ معلومات تو حاصل ہوں گی' تذکر نہیں ہوگا۔ اقبال نے کہا تھا: ؎

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف!

تذکر کے عمل کا اثر تو یہ ہے کہ آپ کے اندر کے مضمر حقائق ابھر کر آپ کے شعور کی سطح پر

دوبارہ آ جائیں۔ یہ نہ ہو کہ پہلے آپ نے متن کو پڑھا' پھر ترجمہ دیکھا' حاشیہ دیکھا' اس کے بعد اگلی آیت کی طرف گئے تو تسلسل ٹوٹ گیا اور کلام کی تاثیر ختم ہو گئی۔ ترجمہ سے کلام کی اصل تاثیر باقی نہیں رہتی۔ شیکسپیئر کی کوئی عبارت آپ انگریزی میں پڑھیں گے تو جھوم جائیں گے' اگر اس کا ترجمہ کریں گے تو اس کا وہ اثر نہیں ہو گا۔ اسی طرح غالب کا شعر ہو یا میر کا' اس کا انگریزی میں ترجمہ کریں گے تو وہ اثر باقی نہیں رہے گا اور آپ وجد میں نہیں آئیں گے' جھوم جھوم نہیں جائیں گے۔ عربی زبان کا اتنا علم کہ آپ عربی متن کو براہ راست سمجھ سکیں' تذکر کی بنیادی شرط ہے۔ چنانچہ اوّلاً حسنِ نیت ہو' طلبِ ہدایت ہو' تعصب کی پٹی نہ بندھی ہو' اور ثانیاً عربی زبان کا اتنا علم ہو کہ آپ براہِ راست اس سے ہم کلام ہو رہے ہوں' یہ دونوں شرطیں پوری ہو جائیں تو تذکر ہو جائے گا۔

دوبارہ ذہن میں تازہ کر لیجیے کہ آیت کا مطلب نشانی ہے۔ نشانی اسے کہتے ہیں جس کو دیکھ کر ذہن کسی اور شے کی طرف منتقل ہو جائے۔ آپ نے قلم یا رومال دیکھا تو ذہن دوست کی طرف منتقل ہو گیا جس سے ملے ہوئے بہت عرصہ ہو گیا تھا اور اس کا کبھی خیال ہی نہیں آیا تھا۔ مولانا روم کہتے ہیں۔

خشک تار و خشک مغز و خشک پوست
از کجا می آید ایں آوازِ دوست؟

ہمارا ایک ازلی دوست ہے ''اللہ'' وہی ہمارا خالق ہے' ہمارا باری ہے' ہمارا ربّ ہے۔ اس کی دوستی پر کچھ پردے پڑ گئے ہیں' اس پر کچھ ذہول طاری ہو گیا ہے۔ قرآن اس دوست کی یاد دلانے کے لیے آیا ہے۔

اس کے برعکس تدبر گہرائی میں غوطہ زن ہونے کو کہتے ہیں۔ ع ''قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں!'' تدبر کے اعتبار سے قرآن حکیم مشکل ترین کتاب ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ یہ کہ اس کا منبع اور سرچشمہ علمِ الٰہی ہے اور علمِ الٰہی لامتناہی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ کلام میں متکلم کی ساری صفات موجود ہوتی ہیں' لہٰذا یہ کلام لامتناہی ہے۔

اس کو کوئی شخص نہ عبور کر سکتا ہے نہ گہرائی میں اس کی تہہ تک پہنچ سکتا ہے۔ یہ ناممکن ہے چاہے پوری پوری زندگیاں کھپالیں۔ وہ چاہے صاحبِ کشاف ہوں' صاحبِ تفسیر کبیر ہوں' کسے باشد۔ اس کا احاطہ کرنا کسی کے لیے ممکن نہیں۔ بعض لوگ غیر محتاط انداز میں یہ الفاظ استعمال کر دیتے ہیں کہ ''انہیں قرآن پر بڑا عبور حاصل ہے۔'' یہ قرآن کے لیے بڑا توہین آمیز کلمہ ہے۔ عبور ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پہنچ جانے کو کہتے ہیں۔ قرآن کا تو کنارہ ہی کوئی نہیں ہے۔ کسی انسان کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ قرآن پر عبور حاصل کرے۔ یہ ناممکنات میں سے ہے۔ اسی طرح اس کی گہرائی تک پہنچ جانا بھی ناممکن ہے۔

اس سلسلہ میں ایک تمثیل سے بات کسی قدر واضح ہو جائے گی۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ سمندر میں کوئی ٹینکر تیل لے کر جا رہا ہے اور کسی وجہ سے اچانک تیل لیک کرنے لگ جاتا ہے۔ لیکن وہ تیل سطح سمندر کے اوپر ہی رہتا ہے' نیچے نہیں جاتا۔ سطح سمندر پر اوپر تیل کی تہہ اور نیچے پانی ہوتا ہے اور وہ تیل پانچ دس میل تک پھیل جاتا ہے۔ سمندر کی اتھاہ گہرائی کے باوجود تیل سطح آب پر ہی رہتا ہے۔ اسی طرح سمجھئے کہ قرآن مجید کی اصل ہدایت اور اصل تذکر اس کی سطح پر موجود ہے۔ اس تک رسائی کے لیے سائنس دان یا فلسفی ہونا' عربی ادب کا ماہر ہونا' کلامِ جاہلی کا عالم ہونا ضروری نہیں۔ صرف دو چیزیں موجود ہوں۔ پہلی خلوصِ نیت اور طلب ہدایت' دوسری قرآن سے براہِ راست ہم کلامی کا شرف اور اس کی صلاحیت۔ یہ دونوں ہیں تو تذکر کا تقاضا پورا ہو جائے گا۔ البتہ تدبر کے لیے گہرائی میں اترنا ہوگا اور اس بحرِ زخار میں غوطہ زنی کرنا ہوگی۔ تدبر کا حق ادا کرنے کے لیے شعرِ جاہلی کو بھی جاننا ضروری ہے۔ ہر لفظ کی پہچان ضروری ہے کہ جس دور میں قرآن نازل ہوا اُس زمانے اور اُس علاقے کے لوگوں میں اس لفظ کا مفہوم کیا تھا' یہ کن معانی میں استعمال ہو رہا تھا۔ قرآن نے بنیادی اصطلاحات وہیں سے اخذ کی ہیں۔ وہی الفاظ جن کو عرب اپنے اشعار اور خطبات کے اندر استعمال کرتے تھے انہی کو قرآن مجید نے لیا ہے۔ چنانچہ نزولِ قرآن کے دَور کی زبان کو پہچاننا اور اس

کے لیے ضروری مہارت کا ہونا تدبر کے لیے ناگزیر ہے۔ پھر یہ کہ احادیث' علمِ بیان' منطق' ان سب کو انسان بطریقِ تدبر جانے گا تو پھر وہ اس کا حق ادا کر سکے گا۔

مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے اپنی تفسیر کا نام ہی ''تدبر قرآن'' رکھا ہے اور وہ تدبر قرآن کے بہت بڑے داعی ہیں۔ اس کے لیے انہوں نے اپنی زندگی میں بہت محنت کی ہے۔ ان کے بعض شاگرد حضرات نے بھی محنتیں کی ہیں اور وقت لگایا ہے۔ اس کے ان تقاضوں کو تو اُن حضرات نے بیان کیا ہے' لیکن تدبر قرآن کا ایک اور تقاضا بھی ہے جو بدقسمتی سے ان کے سامنے بھی نہیں آیا۔ اگر وہ تقاضا بھی پورا نہیں ہوگا تو عصر حاضر کے تدبر کا حق ادا نہیں ہوگا۔ وہ تقاضا یہ ہے کہ علم انسانی آج جس لیول تک پہنچ گیا ہے' میٹیریل سائنسز کے مختلف علوم کے ضمن میں جو کچھ معلومات انسان کو حاصل ہو چکی ہیں اور وہ خیالات و نظریات جن کو آج دنیا میں مانا جا رہا ہے ان سے آگاہی حاصل کی جائے۔ اگر ان کا اجمالی علم نہیں ہے تو اِس دَور کے تدبر قرآن کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن حکیم وہ کتاب ہے جو ہر دَور کے اُفق پر خورشیدِ تازہ کی مانند طلوع ہو گی۔ آج سے سو برس پہلے کے قرآن اور آج کے قرآن میں اس حوالے سے فرق ہو گا۔ متن اور الفاظ وہی ہیں' لیکن آج علم انسانی کی جو سطح ہے اس پر اس قرآن کے فہم اور اس کے علم کو جس طریقے سے جلوہ گر ہونا چاہیے اگر آپ اس کا حق ادا نہیں کر رہے تو آپ سو برس پہلے کا قرآن پڑھا رہے ہیں' آج کا قرآن نہیں پڑھا رہے۔ جیسے اللہ کی شان ہے ﴿كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ﴾ اسی طرح کا معاملہ قرآن حکیم کا بھی ہے۔

اسی طرح ہدایتِ عملی کے ضمن میں اقتصادیات' سماجیات اور نفسیاتِ انسانی کے سلسلہ میں راہنمائی اور حقائق قرآن میں موجود ہیں' انہیں کیسے سمجھیں گے؟ قرآن کی اصل تعلیمات کی قدر و قیمت اور اس کی اصل evaluation کیسے ممکن ہے اگر انسان آج کے اقتصادی مسائل کو نہ جانتا ہو؟ اس کے بغیر وہ تدبر قرآن کا حق نہیں ادا کر سکتا۔ مثلاً آج کے اقتصادی مسائل کیا ہیں؟ پیپر کرنسی کی حقیقت کیا ہے؟ اقتصادیات کے اصول و مبادی کیا ہیں؟ بینکنگ کی اصل بنیاد کیا ہے؟ کس طرح کچھ

لوگوں نے اس پوری نوعِ انسانی کو معاشی اعتبار سے بے بس کیا ہوا ہے۔ اس حقیقت کو جب تک نہیں سمجھیں گے تو آج کے دَور میں قرآن حکیم کی اقتصادی تعلیمات واضح کرنے کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔

واقعہ یہ ہے کہ آج تدبر قرآن کسی ایک انسان کے بس کا روگ ہی نہیں رہا' اس کے لیے تو ایک جماعت درکار ہے۔ میرے کتابچے ''مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق'' کے باب ''تذکر و تدبر'' میں یہ تصور پیش کیا گیا ہے کہ ایسی یونیورسٹیز قائم ہوں جن کا اصل مرکزی شعبہ ''تدبر قرآن'' کا ہو۔ جو شخص بھی اس یونیورسٹی کا طالب علم ہو' وہ عربی زبان سیکھے اور قرآن پڑھے۔ لیکن اس مرکزی شعبے کے گرد تمام علومِ عقلی' جیسے منطق' مابعد الطبیعیات' اخلاقیات' نفسیات اور الٰہیات' علومِ عمرانی جیسے معاشیات' سیاسیات اور قانون' اور علومِ طبعی' جیسے ریاضی' کیمیا' طبیعیات' ارضیات اور فلکیات وغیرہ کے شعبوں کا ایک حصار قائم ہو' اور ہر ایک طالب علم ''تدبر قرآن'' کی لازماً اور ایک یا اس سے زائد دوسرے علوم کی اپنے ذوق کے مطابق تحصیل کرے اور اس طرح ان شعبہ ہائے علوم میں قرآن کے علم و ہدایت کو تحقیقی طور پر اخذ کر کے مؤثر انداز میں پیش کر سکے۔ طالب علم وہ بھی پڑھے تب معلوم ہو گا کہ اس شعبے میں انسان آج کہاں کھڑا ہے اور قرآن کیا کہہ رہا ہے۔ فلاں شعبے میں نوعِ انسانی کے کیا مسائل ہیں اور اس ضمن میں قرآن حکیم کیا کہتا ہے۔ مختلف شعبے مل کر تدبر قرآن کی ضرورت کو پورا کر سکتے ہیں جو وقت کا اہم تقاضا ہے۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا' تذکر کے اعتبار سے قرآن آسان ترین کتاب ہے جو ہماری فطرت کی پکار ہے۔ ع ''میں نے یہ جانا کہ گویا یہ ہی میرے دل میں تھا!'' اگر انسان کی فطرت مسخ شدہ نہیں ہے' بلکہ سلیم ہے' صالح ہے' سلامتی پر قائم ہے تو وہ قرآن کو اپنے دل کی پکار محسوس کرے گا' اس کے اور قرآن کے درمیان کوئی حجاب نہ ہو گا' وہ اسے اپنے دل کی بات سمجھے گا' اس کے لیے عربی زبان کا صرف اتنا علم کافی ہے کہ براہ راست ہم کلام ہو جائے۔ جبکہ تدبر کے تقاضے پورے کرنے کسی ایک انسان کے بس کا

روگ نہیں ہے۔ جو شخص بھی اس میدان میں قدم رکھنا چاہے اس کے ذہن میں ایک اجمالی خاکہ ضرور ہونا چاہیے کہ آج جدید سائنسز کے اعتبار سے انسان کہاں کھڑا ہے۔ جب انسان کو اپنے مقام کی معرفت حاصل ہو جائے تو وہ قرآن مجید سے بہتر طور پر فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ سمندر میں تو بے تحاشا پانی ہے' آپ اگر پانی لینا چاہتے ہیں تو جتنا بڑا کٹورا' کوئی دیگ' دیگچی یا بالٹی آپ کے پاس ہے اسی کو آپ بھر لیں گے۔ یعنی جتنا آپ کا ظرف ہوگا اتنا ہی آپ سمندر سے پانی اخذ کر سکیں گے۔ اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہ ہوگا کہ سمندر میں پانی ہی اتنا ہے! انسانی ذہن کا ظرف علوم سے بنتا ہے۔ یہ ظرف آج سے پہلے بہت تنگ تھا۔ ایک ہزار سال پہلے کا ظرفِ ذہنی بہت محدود تھا۔ انسانی علوم کے اعتبار سے آج کا ظرف بہت وسیع ہے۔ اگر آج آپ کو قرآن مجید سے ہدایت حاصل کرنی ہے تو آپ کو اپنا ظرف اس کے مطابق وسیع کرنا ہوگا۔ اور اگر کچھ لوگ ابھی اُسی سابق دور میں رہ رہے ہیں تو قرآن حکیم کے مخفی حقائق اُن پر منکشف نہیں ہوں گے۔

۶) عملی ہدایات اور مظاہرِ طبیعی کے بارے میں متضاد طرزِ عمل

قرآن حکیم میں سائنسی علوم کے جو حوالہ جات آتے ہیں اور اس میں جو عملی ہدایات ملتی ہیں' ان کے ضمن میں یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ ایک اعتبار سے ہمیں آگے سے آگے بڑھنا ہے اور دوسرے اعتبار سے ہمیں پیچھے سے پیچھے جانا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم پر غور و فکر کرنے والے کا انداز (attitude) دو اعتبارات سے بالکل متضاد ہونا چاہیے۔ سائنسی حوالہ جات جو قرآن میں آئے ہیں ان کی تعبیر کرنے میں آگے سے آگے جایئے۔ آج انسان کو کیا معلومات حاصل ہو چکی ہیں' کون سے حقائق پایۂ ثبوت کو پہنچ چکے ہیں' ان کے حوالے پیش نظر رہیں گے۔ اس میں پیچھے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ امام رازی اور دیگر قدیم مفسرین کو دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ اس ضمن میں نبی اکرم ﷺ نے بھی کچھ فرمایا ہے تو وہ بھی ہمارے لیے لازم نہیں ہے۔ اس لیے کہ حضور ﷺ سائنس اور ٹیکنالوجی سکھانے نہیں آئے تھے۔ تأبیر نخل کا

واقعہ پیچھے گزر چکا ہے' اس کے ضمن میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ((اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاَمْرِ دُنْیَاکُمْ)) ''اپنے دنیاوی معاملات کے بارے میں تم مجھ سے زیادہ جانتے ہو''۔ تجرباتی علوم کے مطابق جو تمہیں علم حاصل ہے اس پر عمل کرو۔ لیکن دین کا جو عملی پہلو ہے اس میں پیچھے سے پیچھے جایئے۔ یہاں یہ دلیل نہیں چلے گی کہ جدید دَور کے تقاضے کچھ اور ہیں' جبکہ یہ دیکھنا ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ نے اور آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیا کیا۔ اس حوالے سے قرآن کے طالب علم کا رُخ پیچھے کی طرف ہونا چاہیے کہ اسلاف نے کیا سمجھا۔ متأخرین کو چھوڑ کر متقدمین کی طرف جایئے۔ متقدمین سے تبع تابعین' پھر تابعین سے ہوتے ہوئے ''مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ'' یعنی حضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمل تک پہنچیے۔ اس اعتبار سے اقبال کا یہ شعر صحیح منطبق ہوتا ہے ؎

بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی ست!

دین کا عملی پہلو وہی ہے جو اللہ کے رسول ﷺ سے ثابت ہے۔ اس میں اگرچہ روایات کے اختلاف کی وجہ سے کچھ فرق ہو جائے گا مگر دلیل یہی رہے گی: ((صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ)) ''نماز اِس طرح پڑھو جیسے تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو''۔ اب نماز کی جزئیات کے بارے میں روایات میں کچھ فرق ملتا ہے۔ کسی کے نزدیک ایک روایت قابل ترجیح ہے' کسی کے نزدیک دوسری۔ اس اعتبار سے جزئیات میں تھوڑا بہت فرق ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔ البتہ دلیل یہی رہے گی کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل یہ تھا۔ حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان بھی نوٹ کر لیجیے: ((عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَھْدِیِّیْنَ)) ''تم پر میری سنت اختیار کرنا لازم ہے اور میرے خلفاءِ راشدین کی سنت جو ہدایت یافتہ ہیں''۔ چنانچہ حضور ﷺ کا عمل اور خلفاء راشدین کا عمل ہمارے لیے لائق تقلید ہے۔ پھر اسی سے متصل وہ چیزیں ہیں جن پر ہماری چودہ سو برس کی تاریخ میں اُمت کا اجماع رہا ہے۔ اب دنیا اسلامی سزاؤں کو وحشیانہ قرار دے کر ہم پر اثر انداز ہونے کی کوشش کر رہی ہے

اور ہمیں بنیاد پرست (Fundamentalist) کی گالی دے کر چاہتی ہے کہ ہمارے اندر معذرت خواہانہ رویہ پیدا کر دے' مگر ہمارا طرزِ عمل یہ ہونا چاہیے کہ ان باتوں سے قطعاً متاثر ہوئے بغیر دین کے عملی پہلو کے بارے میں پیچھے سے پیچھے جاتے ہوئے ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ﴾ تک پہنچ جائیں!

بدقسمتی سے ہمارے عام علماء کا حال یہ ہے کہ انہوں نے عربی علوم تو پڑھے ہیں' عربی مدارس سے فارغ التحصیل ہیں' مگر وہ آگے بڑھنے کی صلاحیت سے عاری ہیں۔ انہوں نے سائنس نہیں پڑھی' وہ جدید علوم سے واقف نہیں' وہ نہیں جانتے آئن سٹائن کس بلا کا نام ہے اور اس شخص کے ذریعے طبیعیات کے اندر کتنی بڑی تبدیلی آ گئی ہے۔ نیوٹونین ایرا کیا تھا اور آئن سٹائن کا دَور کیا ہے' انہیں کیا پتہ! آج کائنات کا تصور کیا ہے' ایٹم کی ساخت کیا ہے' انہیں کیا معلوم! ایٹم تو پرانی بات ہو گئی' اب تو انسان نیوٹرون پروٹون سے بھی کہیں آگے کی باریکیوں تک پہنچ چکا ہے۔ اب ان چیزوں کو نہیں جانیں گے تو ان حقائق کو صحیح طور پر سمجھنا ممکن نہیں ہوگا۔ مظاہر طبیعی کا معاملہ تو آگے سے آگے جا رہا ہے۔ اس کی تعبیر جدید سے جدید ہونی چاہیے۔ البتہ اس ضمن میں یہ فرق ضرور ملحوظ رہنا چاہیے کہ ایک تو سائنس کے میدان کے محض نظریات (theories) ہیں جنہیں مسلّمہ حقائق کا درجہ حاصل نہیں ہے' جبکہ ایک وہ چیزیں ہیں جن کی تجرباتی توثیق ہو چکی ہے اور انہیں اب مسلّمہ حقائق کا درجہ حاصل ہے۔ ان دونوں میں فرق کرنا ہوگا۔ خواہ مخواہ کوئی بھی نظریہ سامنے آ جائے یا کوئی مفروضہ (hypothesis) منظرِ عام پر آ جائے اس پر قرآن کو منطبق کرنے کی کوشش کرنا سعی لاحاصل بلکہ مضر شے ہے۔ لیکن اصولی طور پر ہمیں ان چیزوں کی تعبیر میں آگے سے آگے بڑھنا ہے۔ اور جہاں تک دین کے عملی حصے کا تعلق ہے جسے ہم شریعت کہتے ہیں' یعنی اوامر و نواہی' حلال و حرام' حدود و تعزیرات وغیرہ' ان تمام معاملات میں ہمیں پیچھے سے پیچھے جانا ہوگا' یہاں تک کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں اپنے آپ کو پہنچا دیجیے۔ اس لیے کہ دین اسی کا نام ہے۔

۷) فہم قرآن کے لیے جذبۂ انقلاب کی ضرورت

فہم قرآن کے لیے بنیادی اصول اور بنیادی ہدایات یا اشارات کے ضمن میں مولانا مودودی نے یہ بات بڑی خوبصورتی سے تفہیم القرآن کے مقدمے میں کہی ہے کہ قرآن محض نظریات اور خیالات کی کتاب نہیں ہے کہ آپ کسی ڈرائنگ روم میں یا کتب خانے میں آرام کرسی پر بیٹھ کر اسے پڑھیں اور اس کی ساری باتیں سمجھ جائیں۔ کوئی محقق یا ریسرچ سکالر ڈکشنریوں اور تفسیروں کی مدد سے اسے سمجھنا چاہے تو نہیں سمجھ سکے گا۔ اس لیے کہ یہ ایک دعوت اور تحریک کی کتاب ہے۔ مولانا مرحوم لکھتے ہیں:

> ''.....اب بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ سرے سے نزاعِ کفر و دین اور معرکۂ اسلام و جاہلیت کے میدان میں قدم ہی نہ رکھیں اور اس کشمکش کی کسی منزل سے گزرنے کا آپ کو اتفاق ہی نہ ہوا ہو اور پھر محض قرآن کے الفاظ پڑھ پڑھ کر اس کی ساری حقیقتیں آپ کے سامنے بے نقاب ہو جائیں! اسے تو پوری طرح آپ اُسی وقت سمجھ سکتے ہیں جب اسے لے کر اٹھیں اور دعوت الی اللہ کا کام شروع کریں اور جس جس طرح یہ کتاب ہدایت دیتی جائے اُسی طرح قدم اٹھاتے چلے جائیں.....''

قرآن مجید کی بہت سی بڑی اہم حقیقتیں اس کے بغیر منکشف نہیں ہوں گی' اس لیے کہ قرآن ایک ''کتابِ انقلاب'' (Manual of Revolution) ہے۔ اس قرآن نے انسانی جدوجہد کے ذریعے عظیم انقلاب برپا کیا ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے ساتھی رضی اللہ عنہم ایک حزب اللہ تھے' ایک جماعت اور ایک پارٹی تھے' انہوں نے دعوت اور انقلاب کے تمام مراحل کو طے کیا اور ہر مرحلے پر اس کی مناسبت سے ہدایات نازل ہوئیں۔ ایک مرحلہ وہ بھی تھا کہ حکم دیا جا رہا تھا کہ مار کھاؤ لیکن ہاتھ مت اٹھاؤ۔ ﴿كُفُّوْا اَيْدِيَكُمْ﴾۔ پھر ایک مرحلہ وہ بھی آیا کہ حکم دے دیا گیا کہ اب آگے بڑھو اور جواب دو' انہیں قتل کرو۔ سورۃ الانفال میں ارشاد ہوا: ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا

تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ (آیت ۳۹) ''اور ان سے جنگ کرتے رہو یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو جائے اور دین کُل کا کُل اللہ کے لیے ہو جائے''۔ سورۃ البقرۃ میں فرمایا: ﴿وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ﴾ (آیت ۱۹۱) ''اور اُن کو قتل کر دو جہاں کہیں تم ان کو پاؤ اور انہیں نکالو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے''۔

دونوں مراحل میں یقیناً فرق ہے' بلکہ بظاہر تضاد ہے' لیکن جاننا چاہیے کہ یہ ایک ہی جدوجہد کے دو مختلف مراحل ہیں۔ پھر ایک داعی جب دعوت دیتا ہے تو جو مسائل اسے درپیش ہوتے ہیں ان کو ایک ایسا شخص قطعاً نہیں جان سکتا جس نے اُس کوچے میں قدم ہی نہیں رکھا ہے۔ اسے کیا احساس ہوگا کہ محمد رسول اللہ ﷺ سے یہ کیوں کہا جا رہا ہے: ﴿نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝ مَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝﴾ ''قسم ہے قلم کی اور جو کچھ لکھتے ہیں! آپ اپنے ربّ کے فضل سے مجنون نہیں ہیں۔ اور آپ کے لیے تو بے انتہا اجر ہے''۔ یعنی اے نبیؐ آپ محزون اور غمگین نہ ہوں۔ آپ ان کے کہنے سے (معاذ اللہ) مجنون تو نہیں ہو جائیں گے۔ ایسے الفاظ جب کسی کو کہے جاتے ہیں تو اس کا ہی دل جانتا ہے کہ اس پر کیا گزرتی ہے۔ اندازہ لگائیے کہ قریش مکّہ سے اس قسم کے الفاظ سن کر قلبِ محمدیؐ پر کیا کیفیت طاری ہوتی ہوگی۔ یہ قرآن ہم پر reveal نہیں ہو سکتا جب تک ان احساسات و کیفیات کے ساتھ ہم خود دوچار نہ ہوں۔ جب تک کہ ہماری کیفیات و احساسات اس کے ساتھ مماثلت نہ رکھیں ہم کیسے سمجھیں گے کہ کیا کہا جا رہا ہے اور کس کیفیت کے اندر کہا جا رہا ہے۔

میڈیکل کالج میں داخل ہونے والے طلبہ سب سے پہلے جس کتاب سے متعارف ہوتے ہیں وہ ''Manual of Dissection'' ہے۔ اس میں ہدایات ہوتی ہیں کہ لاش کے بدن پر یہاں شگاف لگاؤ اور کھال ہٹاؤ تو تمہیں یہ چیز نظر آئے گی' یہاں شگاف لگاؤ تو تمہیں فلاں شے نظر آئے گی' اسے یہاں سے ہٹاؤ گے تو تمہیں اس

کے پیچھے فلاں چیز چھپی ہوئی نظر آئے گی۔ اس اعتبار سے قرآن حکیم ''Manual of Revolution'' ہے۔ جب تک کوئی شخص انقلابی جدوجہد میں شریک نہیں ہوگا قرآن حکیم کے معارف کا بہت بڑا خزانہ اُس کے لیے بند رہے گا۔ ایک شخص فقیہہ ہے' مفتی ہے تو وہ فقہی احکام کو ضرور اس کے اندر سے نکال لے گا۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ بعض تفاسیر ''احکام القرآن'' کے نام سے لکھی گئی ہیں جن میں صرف اُن ہی آیات کے بارے میں گفتگو اور بحث ہے جن سے کوئی نہ کوئی فقہی حکم مستنبط ہوتا ہے۔ مثلاً حلت و حرمت کا حکم' کسی شے کے فرض ہونے کا حکم جس سے عمل کا معاملہ متعلق ہے۔ باقی تو گویا قصص ہیں' تاریخی حقائق و واقعات ہیں۔ یہاں تک کہ قصۂ آدم وابلیس جو سات مرتبہ قرآن میں آیا ہے' یا ایمانی حقائق کے لیے جو دلائل و براہین ہیں ان سے کوئی گفتگو نہیں کی گئی' بلکہ صرف احکام القرآن جو قرآن کا ایک حصہ ہے' اسی کو اہمیت دی گئی ہے۔

قرآن کے تدریجاً نزول کا سبب یہ ہے کہ صاحبِ قرآن ﷺ کی جدوجہد کے مختلف مراحل کو سمجھا جائے' ورنہ فقہی احکام تو مرتب کر کے دیے جا سکتے تھے' جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دے دیے گئے تھے۔ ''احکامِ عشرہ'' تختیوں پر کندہ تھے جو موسیٰؑ کے سپرد کر دیے گئے۔ لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کی انقلابی جدوجہد جس جس مرحلے سے گزرتی رہی قرآن میں اس مرحلے سے متعلق آیات نازل ہوتی رہیں۔ تنزیل کی ترتیب کے اندر مضمر اصل حکمت یہی تو ہے کہ آنحضور ﷺ کی جدوجہد' حرکت اور دعوت کے مختلف مراحل سامنے آجاتے ہیں۔ اب بھی قرآن کی بنیاد پر اور منہج انقلابِ نبویؐ پر جو جدوجہد ہوگی اسے ان تمام مراحل سے ہو کر گزرنا ہوگا۔ چنانچہ کم سے کم یہ تو ہو کہ اس جدوجہد کو علمی طور پر فہم کے لیے انسان سامنے رکھے۔ اگر علمی اعتبار سے سیرت النبیؐ کا خاکہ ذہن میں موجود نہ ہو تو فہم کسی درجے میں بھی حاصل نہیں ہوگا۔ فہمِ حقیقی تو اُسی وقت حاصل ہوگا جب آپ خود اس جدوجہد میں لگے ہوئے ہیں اور وہی مسائل آپ کو پیش آ رہے ہیں تو اب معلوم ہوگا کہ یہ مقام اور مرحلہ یا مسئلہ وہ تھا جس کے لیے یہ ہدایتِ قرآنی آئی تھی۔

۸) قرآن کے منزّل من اللہ ہونے کا ثبوت

اس ضمن میں یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ قرآن کے منزل من اللہ ہونے کا ثبوت کیا ہے۔ یاد رکھیے کہ ثبوت دو قسم کے ہوتے ہیں' خارجی اور داخلی۔ خارجی ثبوت خود محمد رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانا ہے کہ یہ کلام مجھ پر نازل ہوا۔ پھر آپ ﷺ کی شہادت بھی دو حیثیتوں سے ہے۔ آپ ﷺ کی شخصاً شہادت زیادہ نمایاں اُس وقت تھی جب کہ قرآن نازل ہوا اور حضور ﷺ خود موجود تھے۔ وہ لوگ بھی وہاں موجود تھے جنہوں نے آپ ﷺ کی چالیس سالہ زندگی کا مشاہدہ کیا تھا' جنہیں کاروباری شخصیت کی حیثیت سے آپ ﷺ کے معاملات کا تجربہ تھا۔ جن کے سامنے آپ ﷺ کی صداقت' دیانت' امانت اور ایفائے عہد کا پورا نقشہ موجود تھا۔ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر جن کے سامنے چہرۂ محمدیؐ موجود تھا۔ سلیم الفطرت انسان آپ ﷺ کا روئے انور دیکھ کر پکار اٹھتا تھا کہ سُبْحَانَ اللّٰہِ مَا ھٰذَا بِوَجْہِ کَذَّابٍ (اللہ پاک ہے' یہ چہرہ کسی جھوٹے کا ہو ہی نہیں سکتا)۔ تو حضور ﷺ کی شخصیت' آپؐ کی ذات اور آپؐ کی شہادت کہ یہ قرآن مجھ پر نازل ہوا' سب سے بڑا ثبوت تھا۔

اس اعتبار سے یاد رکھیے کہ محمد رسول اللہ ﷺ اور قرآن باہم ایک دوسرے کے شاہد ہیں۔ قرآن محمد ﷺ کی رسالت پر گواہی دیتا ہے: ﴿یٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ ۝ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝﴾ قرآن گواہی دے رہا ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور قرآن کے منزل من اللہ ہونے کا ثبوت ذاتِ محمدیؐ ہے۔ اس کا ایک پہلو تو وہ ہے کہ نزولِ قرآن کے وقت رسول اللہ ﷺ کی ذات' آپؐ کی شخصیت' آپؐ کی سیرت و کردار' آپؐ کا اخلاق' آپؐ کا وجود' آپؐ کی شبیہہ اور چہرہ سامنے تھا۔ دوسرا پہلو جو دائمی ہے اور آج بھی ہے وہ حضور ﷺ کا وہ کارنامہ ہے جو تاریخ کی اَن مٹ شہادت ہے۔ آپ ایچ جی ویلز' ایم این رائے یا ڈاکٹر مائیکل ہارٹ سے پوچھیں کہ وہ کتنا عظیم کارنامہ ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے سرانجام دیا۔ اور آپؐ خود کہہ رہے ہیں کہ میرا آلۂ انقلاب قرآن ہے' یہی میرا اسلحہ اور اصل طاقت ہے' یہی میری قوت کا

سرچشمہ اور میری تاثیر کا منبع ہے۔ اس سے بڑی گواہی اور کیا ہوگی؟ یہ تو قرآن کے منزل من اللہ ہونے کی خارجی شہادت ہے۔ یعنی ''حضورؐ کی شخصیت''۔ شہادت کا یہ پہلو حضور ﷺ کے اپنے زمانے میں اور آپ ﷺ کی حیاتِ دنیاوی کے دوران زیادہ نمایاں تھا۔ اور جہاں تک آپؐ کے کارنامے کا تعلق ہے اس پر تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ دیکھیے مائیکل ہارٹ محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ کہنے پر مجبور ہوا ہے:

"He was the only man in history who was supremely successful on both the religious and secular levels."

یعنی تاریخ انسانی میں صرف وہی واحد شخص ہیں جو سیکولر اور مذہبی دونوں میدانوں میں انتہائی کامیاب رہے ——— اور آپ ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ تو خارجی ثبوت گویا بتمام وکمال حاصل ہوگیا۔

قرآن کے منزل من اللہ ہونے کا داخلی ثبوت یہ ہے کہ انسان کا دل گواہی دے۔ داخلی ثبوت انسان کا اپنا باطنی تجربہ ہوتا ہے۔ اگر ہزار آدمی کہیں چینی میٹھی ہے مگر آپ نے نہ چکھی ہو تو آپ کہیں گے کہ جب اتنے لوگ کہہ رہے ہیں میٹھی ہے تو ہوگی میٹھی۔ ظاہر ہے ایک ہزار آدمی مجھے کیوں دھوکہ دینا چاہیں گے' یقیناً میٹھی ہوگی۔ لیکن ''ہوگی'' سے آگے بات نہیں بڑھتی۔ البتہ جب انسان چینی کو چکھ لے اور اس کی اپنی حسِ ذائقہ بتا رہی ہو کہ یہ میٹھی ہے تو اب ''ہوگی'' نہیں ''ہے''۔ ''ہوگی'' اور ''ہے'' میں درحقیقت انسان کے ذاتی تجربے کا فرق ہے۔ افسوس یہ ہے کہ آج کی دنیا صرف خارجی تجربات کو جانتی ہے۔ ایک تجربہ اس سے کہیں زیادہ معتبر ہے اور وہ باطنی تجربہ ہے' یعنی کسی شے پر آپ کا دل گواہی دے۔ اقبال نے کیا خوب کہا ہے ؎

تو عرب ہو یا عجم ہو تیرا لا الٰہ اِلاّ
لغتِ غریب' جب تک تیرا دل نہ دے گواہی!

لا الٰہ الا اللہ کے لیے اگر دل نے گواہی نہ دی تو انسان خواہ عربی النسل ہو' عربی زبان جانتا ہو' لیکن اس کے لیے یہ کلمہ لغتِ غریب ہی ہے' نامانوس سی بات ہے' اس کے اندر پیوست نہیں ہے' اس کو متاثر نہیں کرتی۔ قرآن انسان کی اپنی فطرت کو اپیل کرتا ہے اور

انسان کو اپنے من میں جھانکنے کے لیے آمادہ کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے اپنے من میں جھانکو' دیکھو تو سہی' غور تو کرو: اَفِی اللّٰہِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ؟ کیا تمہیں اللہ کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے؟ اَئِنَّکُمْ لَتَشْھَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰہِ اٰلِھَۃً اُخْرٰی؟ کیا تم واقعتاً یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ ہی میرے دل میں ہے!

علامہ ابن قیمؒ نے اس کی بڑی خوبصورت تعبیر کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ جب قرآن پڑھتے ہیں تو یوں محسوس کرتے ہیں کہ وہ مصحف سے نہیں پڑھ رہے بلکہ قرآن اُن کے لوحِ قلب پر لکھا ہوا ہے' وہاں سے پڑھ رہے ہیں۔ گویا فطرتِ انسانی کو قرآن مجید کے ساتھ اتنی ہم آہنگی ہو جاتی ہے۔

ہمارے دَور کے ایک صوفی بزرگ کہا کرتے ہیں کہ روحِ انسانی اور قرآن حکیم ایک ہی گاؤں کے رہنے والے ہیں۔ جیسے ایک گاؤں کے رہنے والے ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں اور باہم انسیت محسوس کرتے ہیں ایسا ہی معاملہ روحِ انسانی اور قرآن حکیم کا ہے۔ قرآن کو پڑھ کر اور سن کر روحِ انسانی محسوس کرتی ہے کہ اس کا منبع اور سرچشمہ وہی ہے جو میرا ہے۔ جہاں سے میں آئی ہوں یہ کلام بھی وہیں سے آیا ہے۔ یقیناً اس کلام کا منبع اور سرچشمہ وہی ہے جو میرے وجود' میری ہستی اور میری روح کا منبع اور سرچشمہ ہے۔ یہ ہم آہنگی ہے جو اصل باطنی تجربہ بن جائے تب ہی یقین ہوتا ہے کہ یہ کلام واقعتاً اللہ کا ہے۔ (جاری ہے)

☆☆☆

میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن
تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجئے۔

فہم القرآن

ترجمۂ قرآن مجید

مع صرفی و نحوی تشریح

از: لطف الرحمٰن خان

نظر ثانی: حافظ نذیر احمد ہاشمی

سورۃ البقرۃ (مسلسل)

آیت ۱۴۸

﴿وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾

وَجَهَ (ض) وَجْهًا فُلَانًا: مُنہ پر مارنا اور رد کرنا۔ لوگوں کے نزدیک وجاہت میں بڑھ جانا۔

وَجُهَ (ک) وَجَاهَةً: وجیہہ ہونا' صاحبِ وجاہت ہونا۔

وَجَّهَ اِلٰی فُلَانٍ: کسی کے پاس جانا۔ هُ اِلٰی فُلَانٍ: کسی کے پاس بھیجنا۔ هُ الْاَمِيرُ: باعزت بنانا۔ وَجَّهَ الشَّیْءَ: کسی طرف پھیر دینا۔ ﴿وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ (الانعام:۷۹) ''میں نے اپنا چہرہ پھیر لیا اُس ہستی کی طرف جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا''۔

تَوَجَّهَ اِلَيْهِ: متوجہ ہونا اور قصد کرنا۔

اَلْوَجْهُ: چہرہ۔ ج اَوْجُهٌ وَوُجُوْهٌ وَاُجُوْهٌ۔

''وِجْهَةٌ'' مصدر بمعنی قبلہ یا اسم مکان ہے۔ یعنی وہ سمت جس کی طرف رُخ کیا جائے۔ اوّل صورت میں ''واو'' کا موجود ہونا غیر قیاسی ہے۔ قیاس کا تقاضا ہے کہ اس کو حذف

کر دیا جائے' لیکن صرف اصل پر تنبیہ کرنے کے لیے باقی رکھا گیا ہے۔ دوسری صورت میں ''واؤ'' کا بقا قیاسی ہے' مراد ہر دو صورتوں میں وہ سمت ہے جس کی طرف رُخ کیا جائے۔

س ب ق

سَبَقَ (ض) سَبْقًا : تیز چلنا' آگے نکلنا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے: (۱) کسی بات کا آگے نکلنا' یعنی بات کا طے ہو جانا' فیصلہ ہو جانا۔ ﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۝﴾ (الصّٰفّٰت) ''اور آگے نکل چکا ہے ہمارا فرمان (یعنی ہمارا فیصلہ ہو چکا ہے) ہمارے بھیجے ہوئے بندوں (یعنی رسولوں) کے لیے۔'' (۲) کسی کی پکڑ سے آگے نکلنا' یعنی بھاگ نکلنا۔ ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا﴾ (الانفال:۵۹) ''اور ہرگز گمان نہ کریں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ وہ لوگ بھاگ نکلے۔'' (۳) کسی کام میں آگے نکلنا' یعنی پہل کرنا' سبقت کرنا۔ ﴿لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَا اِلَيْهِ﴾ (الاحقاف:۱۱) ''اگر وہ ہوتا بہتر تو وہ لوگ ہم پر سبقت نہ کرتے اس کی طرف۔'' (۴) کسی کی بات سے آگے نکلنا' یعنی حکم عدولی کرنا' نافرمانی کرنا۔ ﴿لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۝﴾ (الانبیاء) ''وہ لوگ نافرمانی نہیں کرتے اس کی بات میں اور وہ لوگ اُس کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔''

سَابِقٌ (اسم الفاعل) : آگے نکلنے والا۔ ﴿وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ﴾ (یٰسٓ:۴۰) ''اور نہ رات دن کے آگے نکلنے والی ہے۔''

مَسْبُوْقٌ (اسم المفعول) : جس کی گرفت سے نکلا گیا' یعنی بے بس کیا ہوا' عاجز کیا ہوا۔ ﴿وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ۝﴾ (الواقعة) ''اور ہم عاجز کیے ہوئے نہیں ہیں۔''

سَابَقَ (مفاعلہ) مُسَابَقَةً : دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرنا' لپکنا۔

سَابِقْ (فعل امر) : تو آگے نکل' تو لپک۔ ﴿سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ﴾ (الحدید:۲۱) ''تم لوگ لپکو اپنے ربّ سے مغفرت کی طرف اور جنت کی طرف۔''

اِسْتَبَقَ (افتعال) اِسْتِبَاقًا : اہتمام سے آگے نکلنا' یعنی آگے نکلنے کا مقابلہ کرنا' دوڑ لگانا۔ ﴿اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا﴾ (یوسف:۱۷) ''بیشک ہم گئے کہ ہم دوڑ لگاتے ہیں اور ہم نے چھوڑا یوسف (علیہ السلام) کو اپنے سامان کے پاس۔''

ترکیب : اس میں ''واؤ'' استیناف ہے۔ ''وِجْهَةٌ'' مبتدأ نکرہ ہے۔ اس کی خبر ''مَوْجُوْدٌ'' محذوف ہے۔ ''لِكُلٍّ'' متعلق خبر تھا جو اَب قائم مقام خبر مقدم ہے۔ ''هُوَ''

مبتدأ اور ''مُوَلِّيْهَا'' اس کی خبر ہے۔ ''مُوَلِّيْهَا'' میں اسم الفاعل ''مُوَلِّ'' آیا ہے۔ مضاف ہونے کی وجہ سے تنوین ختم ہوئی تو ''مُوَلِّيْ'' ہوا۔ یہاں پر اسم الفاعل فعل کا کام کر رہا ہے جو دو مفعول کا تقاضا کرتا ہے۔ پورا جملہ اس طرح ہوتا: ''هُوَ مُوَلٍّ نَفْسَهٗ اِلٰى تِلْكَ الْوِجْهَةِ''۔ چونکہ دونوں مفعول ''نَفْسٌ'' اور ''وِجْهَةٌ'' کی ضمیریں مضاف الیہ کے طور پر آئی ہیں اس لیے مفعول اوّل ''نَفْسٌ'' کی ضمیر کو محذوف کر دیا گیا۔ یا تقدیر عبارت یوں ہے: ''لِكُلِّ قِبْلَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا وِجْهَةٌ''۔ نیز یہ بھی احتمال ہے کہ ''هُوَ'' ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہو۔ اس صورت میں تقدیر عبارت یوں ہوگی: ''اَللّٰهُ مُوَلِّيْهَا اِيَّاهُ''۔ ''فَاسْتَبِقُوْا'' فعل امر ہے۔ اس کا فاعل اس میں ضمیر مرفوع متصل واو ہے۔ ''اَلْخَيْرٰتِ'' اس کا مفعول ہے' لیکن ''فَاسْتَبِقُوْا'' کو فعل لازم ہونے کی بنا پر مفعول کی ضرورت نہیں۔ اس کو پہلے حرفِ جر ''اِلٰى'' کے ذریعہ متعدی کیا گیا۔ عبارت یوں ہے: ''فَاسْتَبِقُوْا اِلَى الْخَيْرٰتِ''۔ بعد میں ''اِلٰى'' کو حذف کر دیا گیا اور ''اَلْخَيْرٰتِ'' کو منصوب کر دیا گیا اور یہ منصوب علیٰ نزع الخافض ہے۔ ''اَيْنَمَا'' اسم شرط جازم منصوب علی الظرفیۃ المکانیۃ ہے۔ ''تَكُوْنُوْا'' فعل شرط مجزوم ''واو'' اس کا فاعل ''يَاْتِ'' جواب شرط فعل اور لفظ ''اللہ'' فاعل ''بِكُمْ'' جار مجرور متعلق ''يَاْتِ''، ''جَمِيْعًا'' حال ہے ''كُمْ'' ضمیر سے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ میں ''اِنَّ'' حرف مشبہ بالفعل' لفظ ''اللہ'' اس کا اسم' ''قَدِيْرٌ'' خبر اور ''عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ'' متعلق ''قَدِيْرٌ'' کے ہے۔ یہ جملہ اسمیہ تعلیلیہ ہے۔ ''لَا مَحَلَّ لَهَا مِنَ الْاَعْرَابِ''۔ ''تَكُوْنُوْا'' شرط ہونے کی وجہ سے اور ''يَاْتِ'' جوابِ شرط ہونے کی وجہ سے حالتِ جزم میں ہیں۔

ترجمہ

وَلِكُلٍّ : اور سب کے لیے	وِّجْهَةٌ : توجہ کرنے کی کچھ سمتیں ہیں
هُوَ : وہ	مُوَلِّيْهَا : پھیرنے والا ہے (خود کو) اس کی طرف
فَاسْتَبِقُوا : پس تم لوگ آگے نکلنے کا مقابلہ کرو	الْخَيْرٰتِ : بھلائیوں میں
اَيْنَ مَا : جہاں کہیں بھی	تَكُوْنُوْا : تم لوگ ہو گے
يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ : اللہ لے آئے گا تم لوگوں کو	جَمِيْعًا : سب کے سب کو

اِنَّ اللّٰهَ : بیشک اللہ　　عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ : ہر چیز پر
قَدِیْرٌ : قدرت رکھنے والا ہے

نوٹ (۱) : اس آیت میں ہماری راہنمائی کی گئی ہے کہ ہر ایک نے اپنا اپنا قبلہ بنایا ہوا ہے اور وہ اُدھر ہی رُخ کرے گا۔ اس لیے اپنے قبلہ کی برتری ثابت کرنے کے لیے بحث ومباحثہ میں وقت ضائع مت کرو، کیونکہ اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔ پس یہی وقت بھلائی کے کاموں میں صرف کرو اور اس میدان میں اپنے مدّ مقابل سے آگے نکلنے کا مقابلہ کرو۔

آیت ۱۴۹

﴿وَمِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝﴾

ترکیب : ''واو'' استیناف ''مِنْ'' حرف جر ''حَیْثُ'' مجرور۔ جار مجرور متعلق ''فَوَلِّ'' (متاخر) لیکن ''فَوَلِّ'' کو متعلق ماننے سے لازم آتا ہے اعمال ''مَا بَعْدَ الْفَاءِ فِیْمَا قَبْلَهَا وَهُوَ مُمْتَنِعٌ فَالْاَوْلٰی تَعْلِیْقُهُمَا بِفِعْلٍ مَحْذُوْفٍ یُفَسِّرُهٗ فَوَلِّ اَیْ وَلِّ وَجْهَكَ مِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ'' (خَرَجْتَ) فعل و فاعل والجملة الفعلية فی محل جر بالاضافة۔ ''فَوَلِّ'' فاء رابطہ ہے، کیونکہ ''حَیْثُ'' میں معنی شرط کا موجود ہے۔ ''وَلِّ'' فعل امر، اس میں ضمیر اس کا فاعل ''وَجْهَكَ'' مفعول بہ۔ ''شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ'' ظرف مکان متعلق ''وَلِّ'' کے۔ ''وَاِنَّهٗ'' میں ''واو'' عاطفہ یا حالیہ ''ہ'' ضمیر اس کا اسم ''لَلْحَقُّ'' میں لام مزحلقہ ''الْحَقُّ'' خبر ''مِنْ رَّبِّكَ'' جار مجرور متعلق محذوف ''كَائِنًا'' جو حال ہے ''الْحَقُّ'' سے۔

ترجمہ

وَمِنْ حَیْثُ : اور جہاں سے　　خَرَجْتَ : آپؐ نکلیں
فَوَلِّ : تو آپ پھیریں　　وَجْهَكَ : اپنے چہرے کو
شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ : مسجد حرام کی طرف　　وَاِنَّهٗ : اور بیشک یہ
لَلْحَقُّ : حق ہے　　مِنْ رَّبِّكَ : آپؐ کے ربّ کی جانب سے
وَمَا اللّٰهُ : اور اللہ نہیں ہے　　بِغَافِلٍ : غافل

عَمَّا: اس سے جو　　تَعْمَلُوْنَ: تم لوگ کرتے ہو

نوٹ (۱): آپ پڑھ چکے ہیں کہ لامِ تعریف پر جب لامِ جارّہ (لِ) داخل ہوتا ہے تو لامِ تعریف کا ہمزۃ الوصل لکھنے میں گر جاتا ہے۔ جیسے ''لِلْمُتَّقِیْنَ''۔ اسی طرح سے لامِ تعریف پر جب لامِ تاکید (لَ) داخل ہوتا ہے تب بھی ہمزۃ الوصل لکھنے میں گر جاتا ہے۔ اس حوالے سے نوٹ کریں کہ ''لَلْحَقُّ'' دراصل ''لَ الْحَقُّ'' تھا جو ''لَلْحَقُّ'' لکھا گیا ہے۔

آیت ۱۵۰

﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ ۙ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾

ترکیب: ''لِئَلَّا'' میں لامِ تعلیل ''اَلَّا'' میں ''اَنْ'' ناصبہ اور ''لَا'' نافیہ ''یَکُوْنَ''، فعل ناقص ''لِلنَّاسِ'' جار مجرور متعلق خبر محذوف ''عَلَیْکُمْ'' جار مجرور متعلق ''قائمۃً'' محذوف جو حال ہے۔ ''عَلَیْکُمْ'' اگرچہ ''حُجَّۃٌ'' کی صفت ہے لیکن مقدم ہونے کی وجہ سے اس کو بجائے صفت کے حال بنا دیا گیا ہے (کَمَا ھِیَ القَاعِدَۃُ) ''حُجَّۃٌ'' اسم ہے ''یَکُوْنَ'' کا۔ ''اِلَّا'' حرفِ استثناء ''اَلَّذِیْنَ'' موصول ''ظَلَمُوْا''، فعل ''واو'' فاعل ''مِنْھُمْ'' جار مجرور متعلق کَائِنِیْنَ حال ہے واو ضمیر سے۔ یہ صلہ ہے۔ موصول + صلہ مستثنیٰ. مستثنیٰ منہ ''النَّاس'' ہے۔ ''فَلَا تَخْشَوْھُمْ'' میں الفاء ھی الفصیحۃ ای اذا عرفتم ذالک ورسخت حقیقتہ فی نفوسکم۔ ''لَا'' نَاھِیَۃ ''تَخْشَوْھُمْ'' میں ''تَخْشَوْا''، فعل ''واو'' ضمیر فاعل ''ھُمْ''، ضمیر مفعول۔ ''وَاخْشَوْنِیْ'' میں ''واو'' عاطفہ ''اخْشَوْا''، فعل + با فاعل ''ن'' وقایہ ''ی''، ضمیر مفعول بہ۔ ''وَلِاُتِمَّ'' میں ''واو'' عاطفہ ''لِاُتِمَّ نِعْمَتِیْ عَلَیْکُمْ'' جملہ فعلیہ عطف ہے لِئَلَّا یَکُوْنَ ..... پر۔

ترجمہ

وَمِنْ حَيْثُ: اور جہاں سے　　خَرَجْتَ: آپ نکلیں

فَوَلِّ: تو آپ پھیریں　　وَجْهَكَ: اپنے چہرے کو

شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ :مسجد حرام کی طرف
وَحَيْثُ مَا:اور جہاں کہیں بھی
كُنْتُمْ :تم لوگ ہو
فَوَلُّوْا: تو تم لوگ پھیرو
وُجُوْهَكُمْ :اپنے چہروں کو
شَطْرَهٗ :اس کی طرف
لِئَلَّا يَكُوْنَ :تا کہ نہ ہو
لِلنَّاسِ :لوگوں کے لیے
عَلَيْكُمْ :تم لوگوں پر
حُجَّةٌ :کوئی حجت
اِلَّا الَّذِيْنَ :سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے
ظَلَمُوْا:ظلم کیا
مِنْهُمْ :ان میں سے
فَلَا تَخْشَوْهُمْ :پس تم لوگ مرعوب مت ہو اُن لوگوں سے
وَاخْشَوْنِيْ :اور مرعوب ہو مجھ سے
وَلِاُتِمَّ :اور تا کہ میں تمام کروں
نِعْمَتِيْ :اپنی نعمت کو
عَلَيْكُمْ :تم لوگوں پر
وَلَعَلَّكُمْ :اور شاید کہ تم لوگ
تَهْتَدُوْنَ :ہدایت پاؤ

نوٹ (۱) :تحویل قبلہ کا حکم یہودیوں پر بہت بھاری تھا۔ان کی معزولی کے تابوت میں یہ آخری کیل تھا۔اس لیے وہ اپنی تمام تر ذہانت اور فطانت کو بروئے کار لا کر ہر قسم کے اعتراضات کر رہے تھے اور وسوسہ اندازی کا کاروبار بھی پورے زور وشور سے جاری تھا۔کچھ سادہ لوح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس طوفان سے متاثر ہو جانا ایک فطری بات تھی۔ان کے اطمینانِ قلب کے لیے تحویل قبلہ کے حکم کی تکرار کی گئی ہے۔

نیز ''مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ'' کے ساتھ ''حَيْثُ مَا كُنْتُمْ'' کے الفاظ لا کر اس بات کو کھول دیا گیا کہ یہ حکم جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے وہی حکم پوری اُمت کے لیے بھی ہے۔اُصول یہ ہے کہ جو حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے وہی حکم پوری اُمت کے لیے بھی ہے' لیکن تحویلِ قبلہ کے حکم کو اِس اصول پر نہیں چھوڑا گیا تا کہ آگے چل کر تعیین قبلہ کے ضمن میں کوئی مین میخ نکالنے کی یا اگر چہ' مگر چہ' چنین کہ' چنانچہ کی دھونی رمانے کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔مثلاً کوئی ریسرچ سکالر یہ دُور کی کوڑی لا سکتا تھا کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی ہے اور بیت اللہ کی طرف بھی' اس لیے دونوں میں سے کسی طرف رُخ کر لیا جائے درست ہوگا۔سچی بات یہ ہے کہ ایک دانشور دوست سے اس نکتہ پر میری بات ہو چکی ہے۔

اُن کا خیال تھا کہ اگر ہم لوگ اپنے ملّا پن سے باز آ جائیں' ذرا سی وسیع النظری کا مظاہرہ کریں تو عالمی امن میں انقلاب آ جائے گا اور پاکستان کو ہونے والے فوائد کا شمار کرنا مشکل ہو جائے گا۔ اس کی دلیلِ قاطع سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۴۳ ہے: ﴿وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ..... الی آخر الآیۃ﴾

بہرحال یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ تحویل قبلہ کے ضمن میں سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۴۲ سے اس آیت تک تکرار' تاکید اور وضاحت کا جو انداز اختیار کیا گیا ہے اس کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اس نوعیت کی حجت و تکرار کے دروازے ہمیشہ کے لیے بند کر دیے جائیں۔

نوٹ (۲): دوسروں کے نظریات اور طرزِ زندگی کو ترقی یافتہ سمجھنا جبکہ اسلامی نظریات اور طرزِ زندگی کو فرسودہ قرار دے کر موجودہ زمانے میں ناقابلِ عمل سمجھنا دراصل ایک ذہنی بیماری ہے جو عمل میں بھی سرایت کر جاتی ہے۔ اس قسم کی ذہنی مرعوبیت سے' اس آیت میں' بالکل دوٹوک الفاظ میں منع فرمایا گیا ہے اور ﴿فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ﴾ کا یہی مطلب ہے' کیونکہ یہ آیت صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے ہی نہیں آئی تھی بلکہ ہمارے اور آپ کے لیے بھی آئی ہے۔

اس حکم کے ساتھ ہی ہمارے ربّ نے ایک وعدہ بھی کیا ہے کہ کوئی قوم جب کبھی بھی ''وَاخْشَوْنِيْ'' پر عمل کرے گی تو اللہ تعالیٰ اُس قوم پر اپنی نعمت تمام کر دے گا۔ غور کریں کہ ''اُتِمُّ'' (میں تمام کرتا ہوں یا کروں گا) کہنے کے بجائے ''لِاُتِمَّ'' (تاکہ میں تمام کروں) فرمایا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ اتمامِ نعمت کا وعدہ ''وَاخْشَوْنِيْ'' کے حکم کے ساتھ مشروط ہے۔

میں نے اپنے دانشور دوست کے سامنے تصویر کا یہ رُخ رکھ کر انہیں دعوت دی کہ ہمارے دانشور لوگ اگر ذہنی غلامی سے آزادی حاصل کر کے ''وَاخْشَوْنِيْ'' پر عمل پیرا ہونے پر آمادہ ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ پاکستان پر اپنی نعمت تمام کر دے گا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ ہمارے دوست کم از کم ایک مرتبہ غور تو کر لیں کہ اُس وقت پاکستان کو کتنے فوائد حاصل ہوں گے' لیکن وہ اپنے قبلہ سے رُخ پھیرنے پر آمادہ نہ ہوئے اور ''هُوَ مُوَلِّيْهَا'' کا عملی مظاہرہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اِس کے ساتھ ہی اِس آیت میں ''قِبْلَةٌ'' کے بجائے ''وِجْهَةٌ'' کا لفظ لانے کی حکمت بھی سمجھ میں آ گئی۔ ہماری کوشش کا نتیجہ یہ نکلا کہ ''وہ برا وقت'' آنے سے پہلے ہی' محض اُس کی دہشت سے' ہمارے دوست ویزا لے کر کینیڈا چلے

گئے۔ ''پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا''۔ یہ دراصل Brain Drain کا لطیف ترجمہ ہے۔ Drain کے لفظی معنی بیان کرنے سے ترجمہ کثیف ہو جاتا ہے۔

آیت ۱۵۱

﴿كَمَا اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝﴾

''كَمَا'' میں ''كَ'' حرفِ جار ''مَا'' مصدریہ ''اَرْسَلْنَا'' فعل فاعل ''فِيْكُمْ'' جار مجرور متعلق ''اَرْسَلْنَا'' ''رَسُوْلًا'' مفعول بہ ''مِنْكُمْ'' جار مجرور متعلق کائناً صفت اوّل ''رَسُوْلًا'' کی۔ ''يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا'' یہ جملہ فعلیہ صفت دوم ''وَيُزَكِّيْكُمْ'' صفت سوم۔ ''وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ'' صفت چہارم۔ ''وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ'' صفت پنجم۔ ''اَرْسَلْنَا'' فعل فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ بتاویل مصدر ہو کر مصدر محذوف ''هِدَايَةً'' کی صفت ہو کر محل نصب میں ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہے: ''لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ هِدَايَةً كَاِرْسَالِنَا رَسُوْلًا مِّنْكُمْ''۔

ترجمہ

كَمَا : جیسا کہ	اَرْسَلْنَا : ہم نے بھیجا
فِيْكُمْ : تم لوگوں میں	رَسُوْلًا : ایک ایسا رسول
مِّنْكُمْ : تم لوگوں میں سے	يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ : جو پڑھ کر سناتا ہے تم لوگوں کو
اٰيٰتِنَا : ہماری آیات	وَيُزَكِّيْكُمْ : اور جو تزکیہ کرتا ہے تم لوگوں کا
وَيُعَلِّمُكُمُ : اور جو تعلیم دیتا ہے تم لوگوں کو	الْكِتٰبَ : احکام کی
وَالْحِكْمَةَ : اور حکمت کی	وَيُعَلِّمُكُمْ : اور جو تعلیم دیتا ہے تم لوگوں کو
مَّا : اس کی جو	لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ : تم لوگ نہیں جانتے تھے

نوٹ (۱) : آیت زیر مطالعہ کی ابتدا لفظ ''كَمَا'' (جیسا کہ) سے ہوئی ہے۔ اس کا ربط گزشتہ آیت کے آخری حصے سے ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تاکہ میں تم لوگوں پر

اپنی نعمت تمام کروں اور تا کہ تم لوگ ہدایت پاؤ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح حضور ﷺ کی بعثت انسانیت پر اللہ تعالیٰ کا ایک احسانِ عظیم ہے اور انسانیت کی ہدایت کے لیے ہے اسی طرح تحویل قبلہ کا حکم بھی اللہ کا احسان ہے اور ہماری ہدایت کے لیے ہے۔

نوٹ (۲) : اس آیت کا مفہوم گزشتہ آیت ۱۲۹ میں واضح کر دیا گیا ہے۔ لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس حقیقت کو ایک مرتبہ پھر ذہن نشین کر لیا جائے کہ اسلام کے تجویز کردہ تزکیہ کا طریقہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیات کی تلاوت اس طرح کی جائے جیسا کہ اُن کی تلاوت کا حق ہے۔ جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے : ﴿يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ﴾ (البقرۃ:۱۲۱)۔ باقی طریقے دیگر مذاہب سے مستعار لے کر مسلمان کیے گئے ہیں۔ نظریات وعقائد کے تزکیہ کے بعد ہی اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا ممکن ہوتا ہے اور احکام کی حکمت عمل کے بعد سمجھی جاتی ہے۔

دنیاوی معاملات میں تو کسی کام کی حکمت سمجھنے کے بعد اُس پر عمل کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرنا درست طریقہ کار ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں مختلف طریقہ ہائے کار میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنے کا ہمیں اختیار اور آزادی حاصل ہے، یعنی ہمارے پاس Choice ہے، لیکن اللہ اور اُس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے کے بعد اس کے احکام کے ضمن میں ہماری Choice ختم ہو جاتی ہے۔ اس لیے احکامِ الٰہی کے لیے یہی ترتیب درست ہے کہ پہلے اُن پر عمل کیا جائے اور بعد میں ان کی حکمت سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

آیت ۱۵۲

﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ﴾

ترکیب: ''فاء'' فصیحۃ ای اذا شئتم الاھتداء الی محجۃ الصواب فاذکرونی''۔ ''اُذْكُرُوْنِيْ''، فعل امر مبنی علی حذف النون۔ ''واو'' فاعل ''ن'' وقایہ ''یاء''، ضمیر متکلم مفعول بہ۔ ''اَذْكُرْكُمْ''، فعل مضارع مجزوم جواب امر ہونے کی بنا پر۔ فاعل ''اَنَا'' ضمیر مستتر۔ ''كُمْ'' ضمیر مفعول بہ۔ ''وَاشْكُرُوْا لِيْ'' عطف ہے ''اُذْكُرُوْنِيْ'' پر۔ فعل ''شَكَرَ'' متعدی بلا واسطہ اور کبھی متعدی بواسطہ حرف الجر ہوتا ہے۔ ''لِيْ'' جار مجرور متعلق ''اشْكُرُوْا''۔ ''وَلَا تَكْفُرُوْنِ'' میں ''واو'' حرف عطف ''لَا'' ناہیہ ''تَكْفُرُوْا'' فعل۔ ''واو''، ضمیر اس کا فاعل۔ ''ن'' وقایہ ''ی''، ضمیر متکلم مفعول بہ۔

ترجمہ

فَاذْكُرُوْنِيْ :پس تم لوگ یاد کرو اَذْكُرْكُمْ :تو میں یاد رکھوں گا تم لوگوں کو مجھ کو

وَاشْكُرُوْا لِيْ:اور تم لوگ شکر ادا کرو میرا وَلَا تَكْفُرُوْنِ :اور تم لوگ ناشکری مت کرو میری

نوٹ (۱) : بہت عرصہ پہلے ایک کتابچہ ''ذکر اللہ'' پڑھا تھا جو مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی تحریر تھی۔اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص زبان سے سبحان اللہ کی تکرار کر رہا ہے لیکن اس کا دماغ اور دل کہیں اور مصروف ہے۔ یہ شخص ان سے تو بہتر ہے جن کی زبان کسی قسم کی بدگوئی میں مصروف ہے' لیکن اس کا یہ عمل ذکر اللہ نہیں ہے' بلکہ ذکر کا ذریعہ ہے۔ دوسرا شخص زبان سے الحمد للہ کی تکرار کر رہا ہے' اس کا ذہن بھی متوجہ ہے لیکن دل شکر کے جذبات سے خالی ہے۔ یہ پہلے شخص سے بہتر ہے' لیکن یہ بھی ابھی ''ذریعۂ ذکر'' میں ہے۔ تیسرا شخص اپنے قلب و ذہن کی گہرائیوں سے پھوٹ بہنے والے جذبۂ شکر کے اظہار کے لیے زبان سے الحمد للہ کی تکرار کر رہا ہے۔ یہ سب سے بہتر ہے' لیکن یہ بھی ابھی ذکر اللہ کی منزل تک نہیں پہنچا ہے۔ صحیح جذبات و کیفیات کے ساتھ اللہ کو یاد کرنے والے کلمات کی زبان سے تکرار کرنے کے نتیجے میں جب کسی کو معاملات کرتے وقت اللہ کے احکام یاد آنے لگیں اور وہ ان پر عمل کرے' تو یہ ذکر

اللہ ہے۔اس حوالے سے اب آپ ''فَاذْكُرُوْنِيْ'' کا مفہوم سمجھنے اور ذہن نشین کرنے کی کوشش کریں۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اُس نے اللہ کو یاد کیا' اگرچہ اس کی نماز' روزہ (نفلی) وغیرہ کم ہوں۔اور جس نے احکام خداوندی کی خلاف ورزی کی اس نے اللہ کو بھلا دیا' اگرچہ اس کی نماز' روزہ (نفلی)' تسبیحات وغیرہ زیادہ ہوں۔(معارف القرآن)

آیت ۱۵۳

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾

ص ب ر

صَبَرَ (ض) صَبْرًا : مشکل اور ناموافق حالات میں عقل کے تقاضے پر قائم رہنا' ثابت قدم رہنا' برداشت کرنا۔ ﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ﴾ (الاحقاف:۳۵) ''تو آپؐ ثابت قدم رہیں جیسے کہ ثابت قدم رہے عزم والے رسولوں میں سے اور آپؐ جلدی نہ کریں ان کے لیے (یعنی کافروں کے لیے عذاب کی جلدی نہ کریں)'' ﴿وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ (الشوریٰ) ''اور بیشک جس نے برداشت کیا اور معاف کیا تو یقیناً یہ حوصلے کے کاموں میں سے ہے۔''

اِصْبِرْ (فعل امر) : تو ثابت قدم رہ' تو برداشت کر۔ اس کے لیے سورۃ الاحقاف کی آیت ۳۵ ملاحظہ کیجئے!

صَابِرٌ (اسم الفاعل) : ثابت قدم رہنے والا' برداشت کرنے والا۔ ﴿اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ﴾ (الانفال:۶۵) ''اگر ہوں تم میں بیس ثابت قدم رہنے والے (جھیلنے والے) تو وہ لوگ غالب ہوں گے دو سو پر۔''

صَبَّارٌ: فَعَّالٌ کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے۔ مراد ہے بہت زیادہ ثابت قدم رہنے والا' بہت زیادہ جھیلنے اور برداشت کرنے والا۔ ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ﴾ (ابراہیم) ''بیشک اس میں نشانیاں ہیں ہر ایک بہت زیادہ ثابت قدم رہنے والے شکر گزار کے لیے۔''

صَبْرٌ (اسم ذات) : ثابت قدمی' برداشت۔ ﴿وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ (العصر) ''اور انہوں نے باہم تاکید کی حق کی اور باہم تاکید کی ثابت قدمی کی۔''

صَابَرَ (مفاعلہ) مُصَابَرَةً : کسی کے مقابلہ پر ثابت قدمی میں غالب آنے کی کوشش کرنا۔

صَابِرْ ج صَابِرُوْا (فعل امر) : ثابت قدمی میں غالب آؤ یا غالب رہو۔ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا﴾ (آل عمران:۲۰۰) ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم لوگ ثابت قدم رہو اور ثابت قدمی میں غالب رہو اور باہم رابطہ رکھو۔''

اِصْطَبَرَ (افتعال) اِصْطِبَارًا : اہتمام سے ڈٹے رہنا۔

اِصْطَبِرْ (فعل امر) : اہتمام سے ڈٹے رہو۔ ﴿وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ

عَلَيْهَا ﴾ (طٰہٰ: ۱۳۲) ''اور حکم دو اپنے گھر والوں کو نماز کا اور خود ڈٹے رہو اس (نماز) پر''۔

ترکیب : ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا'' میں ''یا'' حرف نداء ''اَیُّ'' منادیٰ نکرہ معینہ مقصودہ مبنی علی الضم مبدل منہ ''ھَا'' حرف تنبیہ۔ ''الَّذِيْنَ'' اسم موصول ''اٰمَنُوْا'' میں ''واو'' ضمیر بارز مرفوع متصل فاعل۔ فعل + فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ۔ موصول صلہ مل کر بدل۔ مبدل منہ اور بدل مل کر منادیٰ۔ ندا اور منادیٰ مل کر مبتدأ۔ ''اِسْتَعِيْنُوْا'' فعل + فاعل ''بِالصَّبْرِ'' جار مجرور متعلق ''اِسْتَعِيْنُوْا''۔ ''وَالصَّلٰوةِ'' میں ''واو'' حرف عطف ''الصَّلٰوةِ'' معطوف بر ''الصَّبْرِ''۔ ''اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ'' میں ''اِنَّ'' حرف مشبہ بالفعل۔ لفظ ''اللہ'' اس کا اسم۔ ''مَعَ'' ظرف مکان مضاف ''الصّٰبِرِيْنَ'' مضاف الیہ۔ مضاف + مضاف الیہ کا متعلق ''مَوْجُوْدٌ'' ہے جو خبر محذوف ہے۔ ''اِنَّ'' اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ تعلیلیہ لامحل لھا من الاعراب۔ استعانت کے اَفعال کا مفعول یعنی جس کی مدد طلب کی جائے' وہ بنفسہٖ آتا ہے اور جس چیز کے ذریعہ اس کی مدد حاصل کی جائے اس پر ''بِ'' کا صلہ آتا ہے۔ اس آیت میں ''اِسْتَعِيْنُوْا'' کے ساتھ ''بِالصَّبْرِ'' آیا ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ ''اِسْتَعِيْنُوْا'' کا مفعول محذوف ہے جو کہ اللہ ہے اور ''بِالصَّبْرِ'' متعلق فعل ہے۔ ''وَالصَّلٰوةِ'' کی جر بتا رہی ہے کہ یہ بھی ''ب'' کے صلہ کے زیر اثر ہے۔ ''اِنَّ'' کا اسم منصوب ہوتا ہے اس لیے ''اِنَّ ھِیَ'' نہیں آ سکتا' کیونکہ ''ھِیَ'' ضمیر مرفوعہ ہے۔ چنانچہ ''اِنَّ'' کے ساتھ ضمیر منصوبہ ''ھَا'' آئی ہے جو کہ صلوٰۃ کے لیے ہے۔

ترجمہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا : اے لوگو جو ایمان لائے ہو!

اِسْتَعِيْنُوْا : تم لوگ مدد طلب کرو (اللہ کی)

بِالصَّبْرِ : ثابت قدمی کے ذریعے

وَالصَّلٰوةِ : اور نماز کے ذریعے

اِنَّ اللّٰهَ : یقیناً اللہ

مَعَ الصّٰبِرِيْنَ : ثابت قدم لوگوں کے ساتھ ہے

نوٹ (۱) : قرآن مجید میں متعدد مقامات پر بار بار ہم کو صبر کی تاکید کی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے دین کو جب سوچ سمجھ کر قبول کیا ہے تو اب اس پر ثابت قدم رہو' یعنی کوئی بھی تکلیف یا نقصان اور کوئی بھی فائدہ یا لالچ تمہارے قدم اس راہ سے ڈگمگا نہ سکے' یہاں تک کہ اس راہ میں اگر جان بھی قربان کرنی پڑے تو اس سے بھی دریغ مت کرو۔

دوسری طرف جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں ایک عقیدہ عام ہے۔ میرے علم کی حد تک ہر شخص اس کا قائل ہے اور اسے درست تسلیم کرتا ہے۔ وہ عقیدہ یہ ہے کہ "Everybody has a price tag on his back." یعنی ہر شخص کی پشت پر ایک لیبل ہوتا ہے جس پر اُس کی قیمت درج ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کی کوئی نہ کوئی قیمت ضرور ہوتی ہے جس پر اُس کو خریدا جا سکتا ہے' مسئلہ صرف قیمت کو سمجھنے اور ادا کرنے کا ہے۔ یہاں ہر شخص بکاؤ (For Sale) ہے۔ اس لیے نظریات' اخلاقیات' حبّ الوطنی وغیرہ کی حیثیت ریت کے گھروندوں سے زیادہ نہیں ہے' ان سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے۔

میں بھی اس کا قائل ہوں اور اس بات کو درست تسلیم کرتا ہوں کہ ہر شخص کی پشت پر اُس کی قیمت درج ہوتی ہے۔ البتہ مسئلہ اُس وقت پیدا ہوتا ہے جب کچھ لوگوں کی قیمت کے طور پر ''جنت'' کی تحریر ابھر آتی ہے۔ اب یہ وہ قیمت ہے جس کو پڑھا بھی جا سکتا ہے' سمجھا بھی جا سکتا ہے' لیکن اس کو ادا کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ اُس وقت پھر ضمیر کے خریداروں کے کھسیانو پنے سے آواز آتی ہے: ''Fundamentalist'' ویسے یہ ٹائٹل مجھے بہت اچھا لگتا ہے' کیونکہ اس میں سے دل جلنے کی سوندھی سوندھی مہک آتی ہے۔

❁❁❁❁

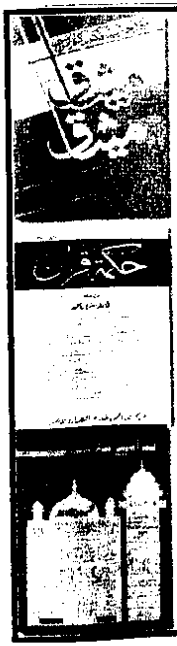

جرائد 2004

(میثاق' حکمت قرآن' ندائے خلافت)

2004 کے تمام جرائد ایک سی ڈی میں یکجا کر دیے گئے ہیں

علاوہ ازیں جرائد 2002 اور 2003 کی CDs بھی دستیاب ہیں

قیمت صرف =/۳۰ روپے*

*علاوہ ڈاک خرچ

مکتبہ خدام القرآن لاہور

قرآن اکیڈمی' K-36 ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 03-5869501 فیکس: 5834000

www.tanzeem.org maktaba@tanzeem.org

رُمّان (انار)

Pomegranate

تحقیق وتحریر: سید قاسم محمود

قرآنی نام: الرُّمّان
اردو، ہندی، پنجابی، فارسی: انار
عبرانی: رِمّون
عربی: رُمّان
بنگالی: دالم
گجراتی: دادِم
مرہٹی: دالمب
کشمیری: دان
نباتاتی نام: Punic granatum Linn

قرآنِ حکیم میں تین مقامات پر اس پھل کا ذکر آیا ہے۔ دو جگہ سورۃ الانعام میں اور ایک جگہ سورۃ الرحمٰن میں۔

o سورۃ الانعام کی آیت ۹۹ ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِیَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ اُنْظُرُوْٓا اِلٰی ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَیَنْعِهٖ ۭ اِنَّ فِیْ ذٰلِكُمْ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ﴾

''اور وہی ہے (اللہ) جس نے آسمان سے پانی برسایا، پھر ہم نے اس کے ذریعے سے ہر قسم کی نباتات اگائی، پھر ہم نے اس سے ہرے ہرے کھیت اور درخت پیدا کیے، پھر ان سے تہہ بہ تہہ چڑھے ہوئے دانے نکالے۔ اور کھجور کے شگوفوں سے پھلوں کے گچھے پیدا کیے جو بوجھ کے مارے جھکے پڑتے ہیں، اور انگور، زیتون اور انار کے باغ لگائے، جن کے پھل ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں اور پھر ہر ایک کی خصوصیات جدا جدا

بھی ہیں۔ یہ درخت جب پھلتے ہیں تو ان میں پھل آنے اور پھر ان کے پکنے کی کیفیت ذرا غور کی نظر سے دیکھو۔ اِن چیزوں میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔''

o سورۃ الانعام ہی کی آیت ۱۴۱ میں انار کا ذکر کسی قدر تنبیہہ کے ساتھ آیا ہے۔ فرمایا گیا ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِیْ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَیْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ ۪ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ﴾

''وہ اللہ ہی ہے جس نے طرح طرح کے باغ اور تاکستان اور نخلستان پیدا کیے اور کھیتیاں اُگائیں جن سے قسم قسم کے ماکولات حاصل ہوتے ہیں۔ زیتون اور انار کے درخت پیدا کیے' جن کے پھل صورت میں مشابہ اور مزے میں مختلف ہوتے ہیں۔ کھاؤ اِن کی پیداوار جبکہ یہ پھل لائیں' اور اللہ کا حق ادا کرو جب اُن کی فصل کاٹو' اور حد سے نہ گزرو کہ اللہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا''۔

o سورۃ الرحمٰن کی تو ہر آیت مختصر ہے۔ آیت ۶۸ میں انار کا ذکر یوں ہے:

﴿فِیْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴾

''اُن دونوں باغوں میں بکثرت پھل اور کھجوریں اور انار۔''

تینوں آیات میں بکثرت پھلوں کا ذکر ہے جو انسان کے فائدے کے لیے پیدا کیے گئے ہیں' اور جن چند پھلوں کا ذکر بطور مثال کیا گیا ہے' ان میں کھجور اور زیتون کے ساتھ انار کا بھی ذکر ہے۔ سورۃ الانعام کی آیت ۱۴۱ میں تو اہل ایمان کو تاکید بھی کی گئی ہے کہ جب یہ درخت پھل لائیں اور ان کی فصل کاٹو تو اللہ کا حق ادا کرو' یہ سب پھل صرف تمہارے لیے نہیں ہیں' ان پر تمہاری اجارہ داری نہیں ہے' اس میں اللہ کا حق بھی ہے' جو غریبوں اور ناداروں کو شریک کرنے سے ادا کیا جائے۔ اگلی آیت میں جانوروں کا ذکر آیا ہے جن کا گوشت کھایا جا سکتا ہے اور جن کو سواری اور بار برداری کے لیے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔

پھلوں اور جانوروں کے استعمال کے ذکر میں اللہ تعالیٰ نے تین باتیں ذہن نشین کرائی ہیں' جو مولانا مودودیؒ نے ''تفہیم القرآن'' میں اس طرح بیان کی ہیں:

''ایک یہ کہ یہ باغ اور یہ کھیت' اور یہ پھل اور جانور جو تم کو حاصل ہیں' یہ سب اللہ کے بخشے ہوئے ہیں۔ کسی دوسرے کا اس بخشش میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ جب یہ چیزیں اللہ کی بخشش ہیں تو ان کے استعمال میں اللہ ہی کے قانون کی پیروی ہونی چاہیے۔ کسی دوسرے کو حق نہیں پہنچتا کہ ان کے استعمال پر اپنی طرف سے حدود مقرر کر دے۔ اللہ کے سوا کسی اور کی مقرر کردہ رسموں کی پابندی کرنا اور اللہ کے سوا کسی اور کے آگے شکرِ نعمت کی نذر پیش کرنا ہی حد سے گزرنا ہے۔ تیسرے یہ کہ یہ سب چیزیں اللہ نے انسان کے کھانے پینے اور استعمال کرنے ہی کے لیے پیدا کی ہیں' اس لیے پیدا نہیں کیں کہ انہیں خواہ مخواہ حرام کر لیا جائے۔ اپنے اوہام اور قیاسات کی بنا پر جو پابندیاں لوگوں نے خدا کے رزق اور اُس کی بخشی ہوئی چیزوں کے استعمال پر عائد کر لی ہیں' وہ سب منشائے الٰہی کے خلاف ہیں''۔

انار کا اصل وطن ایران ہے' اگرچہ اس کی بعض اقسام کوہ ہمالیہ کے دامن میں ہندوستان میں' افغانستان اور شام میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اس کی قدامت کا یہ حال ہے کہ بابل کے معلّق باغات میں جو چند پھل اُگائے گئے تھے' ان میں انار بھی شامل تھا۔ مصر میں فراعنہ کے دسترخوان پر انار بھی رکھے جاتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں بہترین انار کی کاشت فلسطین' شام اور لبنان میں ہوتی تھی۔ توریت میں شہر رِمّون کا ذکر آیا ہے جہاں انتہائی خوش ذائقہ انار کی کاشت ہوتی تھی۔

گویا زمانہ قدیم میں انار بحیرۂ روم کے آس پاس کے ملکوں میں پیدا ہوتا تھا' یہاں سے سپین میں اُس وقت گیا جب مسلمان وہاں پہنچے۔ سپین سے تیرہویں صدی میں انگلستان گیا۔ دو سو سال کے بعد پندرہویں صدی میں سپین سے نئی دنیا یعنی میکسیکو اور فلوریڈا پہنچا۔ رفتہ رفتہ انار دوسرے ملکوں میں بھی پھیلتا گیا اور منطقۂ حارّہ کے تقریباً تمام ملکوں میں اس کی کاشت ہوتی ہے۔ فی زمانہ اچھا انار ترکی' ایران' افغانستان' شام' مراکش اور سپین میں پیدا ہوتا ہے۔ ہندوستان میں شولاپور کا انار بہت مقبول ہے اور عموماً شاہی اور سرکاری ضیافتوں میں پیش کیا جاتا ہے۔

انار نہایت خوش مزہ رسیلا پھل ہے۔ مزے کے لحاظ سے کھٹا' میٹھا اور کھٹ مٹھا تین قسم کا ہوتا ہے۔ قندھاری انار' جس کے دانے سرخ یاقوتی رنگ کے ہوتے ہیں' رسیلا چاشنی دار ہوتا ہے۔ پرانے اطبا انار کے غذائی اور دوائی فائدوں سے اچھی طرح واقف تھے۔ جدید طبی تحقیقات بھی اس کی تصدیق کرتی ہیں۔ چنانچہ انار میں پروٹین' شکر' کیلشیم' فولاد اور فاسفورس

جیسے کارآمد اجزا پائے جاتے ہیں' جو خون کی پیدائش اور بدن کی پرورش میں کام آتے ہیں' اور خون کو اعتدال کی حالت پر قائم رکھتے ہیں۔

انار کا چاشنی دار رس طبیعت میں سکون اور خوشی پیدا کرتا ہے' پیاس بجھاتا اور ساتھ ہی بدن کو اچھی غذائیت بھی دیتا ہے۔ صفراوی اور خونی بخاروں میں جب مریض کے لیے ٹھوس غذاؤں کا استعمال مناسب نہیں ہوتا' انار کا رس مریض کی پیاس بجھاتا اور حرارت کم کرتا ہے اور غذائیت کی وجہ سے اُس کی توانائی کو برقرار رکھتا ہے۔ اگر صفراوی بخار کے مریض کو قے اور متلی کی شکایت ہو' دست آ رہے ہوں تو وہ بھی اِن کے استعمال سے بند ہو جاتے ہیں۔

انار کا چھلکا' جس کو ''ناسپال'' بھی کہتے ہیں' اپنے دوائی فائدے کے لیے مشہور ہے۔ اس میں ایک خاص جوہر ہوتا ہے جو اعضاء کی ساختوں کو سکیڑتا اور اُن کو مضبوط بناتا ہے۔ چنانچہ ناسپال کے جوشاندے سے غرارے کرنے سے ڈھیلے ڈھالے مسوڑے مضبوط ہو جاتے ہیں' گلے اور حلق میں ورم ہو تو غراروں سے دُور ہو جاتا ہے اور آرام ملتا ہے۔

انار دانہ پانچ تولے' سونٹھ' زیرہ سفید' نمک سیاہ ایک ایک تولہ کوٹ کر ایک جان کر لیں۔ یہ نہایت لذیذ چورن بن جاتا ہے۔ چھ چھ ماشہ غذا کھانے کے بعد غذا کو ہضم کرتا اور بھوک خوب لگاتا ہے۔

❀❀❀

شعبہ سمع وبصر کی خصوصی پیشکش

بیان القرآن DVD VIDEO

اب DVDs 14 میں دستیاب ہے

قیمت: 1150 روپے علاوہ کوریئر چارجز

پاکستان میں کوریئر چارجز 150 روپے ہوں گے

بیرون ملک سے منگوانے کی صورت میں کوریئر چارجز 3000 ± روپے ہوں گے

مکتبہ خدام القرآن لاہور

قرآن اکیڈمی' K-36 ماڈل ٹاؤن' لاہور فون: 03-5869501 فیکس: 5834000

www.tanzeem.org maktaba@tanzeem.org

نجات کا ذریعہ

مدرس : پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ ؓ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَا النَّجَاةُ؟ قَالَ : ((اَمْسِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ، وَابْكِ عَلٰى خَطِيْئَتِكَ))

[سنن الترمذی، کتاب الزهد، باب ما جاء فی حفظ اللسان]

حضرت عقبہ بن عامر ؓ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! نجات کا کیا ذریعہ ہے؟ تو آپ ؐ نے ارشاد فرمایا: ''اپنی زبان کو قابو میں رکھو، اپنے گھر میں پڑے رہو اور اپنے گناہوں پر روتے رہو''۔

اسلام بنی نوع انسان کے لیے سراسر رحمت کا پیغام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جہاں اطمینان وسکون کے لیے اللہ کے ذکر اور عبادت کی تلقین کی ہے وہاں شائستہ اور پُرسکون زندگی گزارنے کے انداز بھی سکھائے ہیں۔ اس حدیث میں سائل کے پوچھنے پر کہ نجات کا ذریعہ کیا ہے، آپ ﷺ نے تین باتوں کی تلقین کی۔ سب سے پہلے فرمایا کہ اپنی زبان کو قابو میں رکھو۔ ذرا غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اکثر گناہوں کا سبب زبان کا غیر محتاط استعمال ہی ہوتا ہے۔ چغلی، غیبت، جھوٹ سب زبان ہی کے گناہ ہیں۔

حضرت ابوسعید خدری ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب ابن آدم صبح کرتا ہے تو اس کے جسم کے تمام اعضاء زبان کے سامنے عاجزی کرتے اور کہتے ہیں کہ ہمارے معاملے میں خدا سے ڈر، اس لیے کہ ہم تیرے ساتھ ہیں، سو اگر تو ٹھیک رہے گی تو ہم بھی ٹھیک رہیں گے اور اگر تو نے کج روی اختیار کی تو ہم بھی کج رو بن جائیں گے''۔ (ترمذی)

انسان کی دنیاوی عزت ووقار کے لیے بھی زبان کا اچھا استعمال ہی سبب بن سکتا ہے۔ بدکلام، سخت گفتار اور منہ پھٹ شخص کے لیے لوگوں کے دل میں کوئی احترام نہیں ہوتا۔ اگر کوئی اُس کا احترام کرتا ہے تو صرف اُس کے شر کے خوف سے، ورنہ کسی کے دل میں بھی اس کی حقیقی قدر ومنزلت نہیں ہوتی۔ صرف دنیا کی زندگی ہی نہیں بلکہ آخرت کی زندگی میں بھی کامیابی کا

دارومدار زبان کے صحیح استعمال پر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا مشہور فرمان ہے جسے حضرت سہل بن سعید رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے' اس میں آپؐ نے اس شخص کے لیے جنت کی ضمانت دی ہے جس نے اپنی زبان پر قابو رکھا یعنی بدکلامی سے محفوظ رہا۔

قرآن مجید میں ہے: ﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ﴾ (ق) ''کوئی شخص زبان سے کوئی بات نہیں نکالتا مگر اس کے پاس ہی ایک نگران تیار ہوتا ہے (جو اُس کو ہو بہو لکھ لیتا ہے)''۔ یعنی انسان کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ اللہ تعالیٰ کے ہاں ریکارڈ ہو جاتا ہے اور اس کے نامۂ اعمال کا جزو بن جاتا ہے' پھر یہی نامۂ اعمال اس کے لیے جنت یا جہنم کا باعث بنتا ہے۔ داناؤں کا قول ہے کہ ''پہلے تولو' پھر بولو!'' کیونکہ غیر محتاط گفتگو کے نتیجے میں شرمندگی اور ندامت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا اور ایک دفعہ زبان سے نکلے ہوئے الفاظ واپس نہیں ہو سکتے۔ بعض اوقات تو زبان سے نکلے ہوئے تلخ الفاظ دوسروں کے لیے سخت پریشانی کا باعث بن جاتے ہیں۔ غالباً اسی حقیقت نے ضرب المثل کا روپ دھار لیا ہے کہ تلوار کا زخم تو مندمل ہو جاتا ہے مگر زبان کا نہیں۔ معلم اخلاق حضرت محمد ﷺ سے جب پوچھا گیا کہ مسلمانوں میں سب سے افضل کون ہے تو آپ کا جواب تھا: ''وہ شخص جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان سالم اور محفوظ رہیں''۔ (بخاری و مسلم' عن ابی موسیٰ الاشعریؓ)

زبان کا غلط استعمال نری ہلاکت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مختلف انداز میں خوش گفتاری کی تلقین کی ہے اور تلخ گوئی سے باز رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بخاری اور مسلم میں موجود ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو کوئی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اُسے اچھی بات کہنی چاہیے یا پھر وہ خاموش رہے''۔

زبان سے ادا کیا ہوا ایک ایک جملہ دُور رس تأثیر رکھتا ہے۔ بخاری شریف کی ایک اور روایت میں جس کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بندہ بعض اوقات زبان سے خدا کی خوشنودی کی بات کرتا ہے مگر وہ اس کی حقیقت سے واقف نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اس کے درجات بلند کر دیتا ہے اور بعض اوقات بندہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی بات کر بیٹھتا ہے اور وہ اس کی حقیقت سے واقف نہیں ہوتا اور وہ بات اس کو جہنم کی طرف لے جاتی ہے''۔ پس ضروری ہے کہ گفتگو میں ہمیشہ احتیاط ملحوظ رکھی جائے۔ خاص طور پر ایسی گفتگو سے سخت پرہیز کرنا چاہیے جس سے کسی دوسرے کی دل آزاری ہوتی ہو' نیز جھوٹ' غیبت' گالم گلوچ اور طعن و تشنیع سے تو کسی وقت بھی اپنی زبان کو آلودہ نہیں ہونے دینا چاہیے۔

نجات کے حصول کے لیے دوسری بات جو آپؐ نے ارشاد فرمائی وہ یہ ہے کہ گھر میں پڑے رہو۔ یعنی گھر سے باہر فضول گھومنا پھرنا بھی اچھی عادت نہیں۔ دینی و معاشی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے بعد زیادہ سے زیادہ وقت اپنے گھر میں بیوی بچوں کے ساتھ گزارنا پسندیدہ ہے۔ بازار میں خرید و فروخت کے لیے تو جانا ہی ہوتا ہے مگر حصولِ مقصد کے بعد جلدی سے واپس گھر لوٹنا اچھا ہے' کیونکہ زمین پر بدترین جگہیں بازار اور بہترین جگہیں مساجد ہیں۔ وہ اس لیے کہ بازاروں میں جھوٹی قسمیں کھا کر اور جھوٹ بول کر چیزیں بیچی جاتی ہیں' یعنی زبان کا غلط استعمال عام ہوتا ہے جبکہ مساجد میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے جو زبان کا بہترین استعمال ہے۔ گھر کے اندر آدمی اپنے بچوں کی بہتر تربیت کا موقع پاتا ہے۔ پس گھر سے باہر ضرورت کے تحت ہی نکلنا چاہیے۔ گھر میں رہ کر بیوی بچوں کے مشاغل سے واقفیت رہتی ہے اور جہاں اصلاح کی ضرورت ہو وہاں مناسب قدم اٹھایا جا سکتا ہے جو ہر شخص کی ذمہ داری ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے اور اس سے اُس کے زیردستوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ روزی کمانے کے سلسلے میں طویل عرصے کے لیے گھر سے باہر رہنا پسندیدہ نہیں ہے' کیونکہ ایسی صورت میں گھر کا نظام درہم برہم ہونے کے زیادہ امکانات ہوتے ہیں اور اولاد بھی بے راہ رو ہو جاتی ہے۔

نجات کے حصول کے لیے تیسری بات آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمائی کہ اپنے گناہوں کو یاد کر کے روتے رہو۔ یہی خوفِ خدا اور خشیتِ الٰہی ہے۔ اللہ کا بندہ ہمیشہ اپنے ربّ کے حضور استغفار کرتا اور اپنے گناہوں پر پچھتاتا اور روتا ہے۔ چونکہ انبیاء کے علاوہ کوئی شخص بھی گناہوں سے پاک نہیں اس لیے ہر شخص کو استغفار کرنے کی ضرورت ہے اور اسی لیے استغفار کی ترغیب دی گئی ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ: ''میں ہر روز ستر مرتبہ اللہ کے سامنے استغفار کرتا ہوں''۔ پس اللہ کے رسول ﷺ کی پیروی میں استغفار کرنا اور خوفِ خدا کے ساتھ رات کے اوقات میں عبادت میں مشغول ہو کر آنسو بہانا بڑی فضیلت کا باعث ہے۔ سنن ابن ماجہ میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل ہوا ہے: ''اللہ کے خوف اور ہیبت سے جس بندۂ مؤمن کی آنکھوں سے کچھ آنسو نکلیں' اگرچہ وہ مقدار میں بہت کم ہوں' مثلاً مکھی کے سر کے برابر ہوں' پھر وہ آنسو بہہ کر اُس کے چہرے پر پہنچ جائیں تو اللہ تعالیٰ اس چہرہ کو آتشِ دوزخ کے لیے حرام کر دے گا''۔

تفسیر مظہری میں ہے کہ تلاوتِ قرآن کے وقت رونا مستحب ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ شخص جو اللہ کے خوف سے رویا

وہ جہنم میں نہیں جائے گا جب تک کہ دوہا ہوا دودھ دوبارہ تھنوں میں نہ لوٹ جائے''۔ (ترمذی) یعنی یہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص اپنے گناہوں پر اللہ کے حضور ندامت کے آنسو بہائے اور پھر بھی دوزخ میں جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: ''دو آنکھیں ایسی ہیں کہ اُن کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی: ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی اور دوسری وہ آنکھ جس نے اللہ کے راستہ میں رات بھر پہرہ دیا''۔ (ترمذی)

اللہ اور بندے کا تعلق معبود اور عبد کا ہے۔ قرآن میں ہے: ﴿خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا﴾ ''انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے''۔ اسی فطری کمزوری کی وجہ سے اس سے معصیت کے کام سرزد ہو جاتے ہیں۔ پھر گمراہ تو وہ ہے جو معصیت کے ارتکاب میں مصروف اور مشغول رہے' مگر خدا کا بندہ وہ ہے جو گناہ کے بعد افسوس کرے اور اللہ تعالیٰ سے معافی چاہے۔ پروردگار کو اپنے بندوں کا یہ طرزِ عمل بہت پسند ہے۔ خود قرآن مجید میں ہے: ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ (الانفال) ''اور اللہ تعالیٰ اُن کو عذاب دینے والا نہیں ہے جبکہ وہ بخشش مانگنے والے ہوں''۔ اور بخشش مانگنے کا یہ انداز کہ انسان اپنے گناہوں پر ندامت کے آنسو بھی بہا رہا ہو' پروردگار کے ہاں پسندیدہ ہے۔

امام ابن جریرؒ نے عبدالاعلیٰ تیمیؒ کا یہ مقولہ نقل کیا ہے کہ ''جس شخص کو صرف ایسا علم ملا جو اس کو رلاتا نہیں تو سمجھ لو کہ اُس کو علم نافع نہیں ملا''۔ سیرت کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کبھی کھلکھلا کر نہیں ہنسے' بلکہ صرف مسکرا دیتے تھے' مگر آپؐ خدا کے حضور راتوں کو کثرت کے ساتھ روتے تھے۔ یوں سنت نبویؐ کی پیروی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور صلحاء واتقیاء کا راتوں کی تاریکی اور سکون میں اپنے خالق و مالک کے ساتھ لو لگا کر گریہ وزاری کرنا معمول رہا ہے۔ افسوس کہ آج ایسا کرنے والے لوگ بہت قلیل تعداد میں رہ گئے ہیں' جبکہ اکثر کی زندگی میں خوفِ خدا اور ذکرِ آخرت نام کی کوئی چیز نہیں اور ان کی ساری کاوش اور تگ و دو نفسانی خواہشات کے پورا کرنے کے گرد گھومتی ہے۔ لاابالی پن اور شتر بے مہار کی سی آزادانہ زندگی ہرگز کسی مسلمان کا شیوہ نہیں۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کو اپناتے ہوئے اچھی گفتگو کرنا' اپنے اہل وعیال کے بارے میں اپنی ذمہ داری پوری کرنا اور فضولیات سے پرہیز کرتے رہنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور ندامت کے آنسو بہانا اور استغفار کرنا ہی ایک سچے مسلمان کا طریقہ ہے۔ oo

اسلام میں زوجین کے حقوق (۱)

مؤلف: الشیخ محمود احمد یاسین
مترجم: حافظ محمد زبیر ☆

حقوقِ زوجین کا تذکرہ کرنے سے پہلے ہم اُن نوجوانوں کو نصیحت کرتے ہیں جو شادی کرنے میں رغبت رکھتے ہیں کہ وہ دین داری کو پسند کریں اور مال و خوبصورتی کے بجائے عورت کی دین داری کو ترجیح دیں۔ رسول اللہ ﷺ سے صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

((تُنْكَحُ الْمَرْاَةُ لِاَرْبَعٍ :لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِيْنِهَا فَاظْفُرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ تَرِبَتْ يَدَاكَ)) (۱)

''عورت سے نکاح اس کی چار چیزوں کی بنیاد پر کیا جاتا ہے: اس کے مال کی وجہ سے' اس کے حسب و نسب (خاندان) کی وجہ سے' اس کی خوبصورتی کی وجہ سے اور اس کے دین کی وجہ سے۔ پس تم دین داری کو ترجیح دو' تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں!''

حدیثِ نبویؐ سے یہ مراد نہیں ہے کہ عورت سے نکاح کے وقت اُس کی خوبصورتی کو نظر انداز کر دینا چاہیے' بلکہ آپ ﷺ کی مراد دراصل یہ ہے کہ دین دار عورت کو خوبصورت عورت کے مقابلہ میں ترجیح دینی چاہیے اور اسی طرح مال دار اور خاندان والی عورت کے بالمقابل دین دار عورت کو اختیار کرنا چاہیے۔ اگر یہ ساری صفات ایک عورت میں جمع ہو جائیں تو پھر کیا کہنے! حدیث سے اُس شخص کی مذمت ثابت ہو رہی ہے جو عورت کے آداب اور دین کے بجائے صرف اس کے حسن کی وجہ سے اس سے نکاح کرتا ہے۔ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام سے مروی ہے:

☆ شعبہ تحقیق اسلامی قرآن اکیڈمی لاہور

اَلْجَمَالُ کَاذِبٌ وَالْحُسْنُ مُخْلِفٌ

''حسن جھوٹا ہے اور خراب ہونے والا ہے''۔

جیسا کہ شاعر کا قول بھی ہے: ؎

فَلَا تَجْعَلِ الْحُسْنَ الدَّلِیْلَ عَلَی الْفَتٰی

فَمَا کُلُّ مَصْقُوْلِ الْحَدِیْدِ یَمَانِیْ

''تم حسن کو نوجوانی کی دلیل نہ بناؤ' کیونکہ ہر چمکتا ہوا لوہا عقیق (ایک قیمتی پتھر) نہیں ہوتا''۔

اَکثم بن صیفی نے اپنے بعض بیٹوں سے کہا تھا: ''رذیل عورت کو اختیار کرنے سے بچو' کیونکہ اگر اس کے پاس مال ہے تو وہ ختم ہو جائے گا اور تمہارے ہاتھ صرف اس کی بدبختی آئے گی''۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سفید رنگ کے نیچے ذلت وحقارت کی سیاہی ہوتی ہے اور بعض اوقات بڑے بڑے القابات اور مراتب فضیلت وادب کے لیے قبرستان بن جاتے ہیں۔

جب دین داری کے ساتھ ساتھ عورت کا حق مہر بھی کم ہو' وہ ضروری علوم اور گھریلو کام کاج وغیرہ سے بھی واقف ہو' اور اس کے علاوہ اس کی پرورش بھی ایسے والدین نے کی ہو جن میں کمال درجہ کی باہمی محبت والفت ہو اور باعزت خاندان میں اس عورت نے پرورش پائی ہو تو پھر اس عورت کے ذریعہ مکمل سعادت اور ہمیشہ کی خوش بختی حاصل ہوگی۔

ہم زوجین کے حقوق میں سے ہر ایک کے لیے دس حقوق کا تذکرہ کریں گے۔ پہلے ہم خاوند کے بیوی پر جو حقوق ہیں اُن سے آغاز کرتے ہیں۔

خاوند کے بیوی پر حقوق

خاوند کے بیوی پر درج ذیل حقوق ہیں:

① اللہ کی نافرمانی کے علاوہ ہر معاملہ میں خاوند کی اطاعت

خاوند کی اطاعت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے بہت ساری احادیث مروی ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث ابن حبان نے اپنی صحیح میں بیان کی ہے:

عَنْ اَبِیْ اَوْفٰی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: لَمَّا قَدِمَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ مِنَ الشَّامِ سَجَدَ النَّبِیَّ ﷺ، فَقَالَ ﷺ: ((مَا ھٰذَا؟)) قَالَ: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! قَدِمْتُ الشَّامَ فَرَاَیْتُھُمْ یَسْجُدُوْنَ لِبَطَارِقَتِھِمْ وَاَسَاقِفَتِھِمْ، فَاَرَدْتُ اَنْ اَفْعَلَ ذٰلِکَ

بِكَ، قَالَ :((فَلَا تَفْعَلْ، فَإِنِّي لَوْ اَمَرْتُ شَيْئًا اَنْ يَسْجُدَ لِشَيْءٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْاَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا تُؤَدِّي الْمَرْاَةُ حَقَّ رَبِّهَا حَتّٰى تُؤَدِّيَ حَقَّ زَوْجِهَا)) (۲)

''حضرت ابواوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ کہتے ہیں جب حضرت مُعاذ بن جبل رضی اللہ عنہ شام سے واپس آئے تو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا۔ آپ نے فرمایا: ''یہ کیا؟'' حضرت مُعاذ نے جواب دیا: ''اے اللہ کے رسولؐ! میں شام سے آیا ہوں' میں نے ان لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے علماء اور پادریوں کو سجدہ کرتے ہیں' چنانچہ میں نے ارادہ کیا کہ میں آپؐ کے ساتھ ایسا کروں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم ایسا مت کرو! بے شک اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ وہ کسی کو سجدہ کرے تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! عورت اپنے ربّ کا حق کبھی پورا نہ کر سکے گی جب تک کہ وہ اپنے شوہر کا حق بھی ادا نہ کر دے''۔

ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِذَا صَلَّتِ الْمَرْاَةُ خَمْسَهَا وَحَصَّنَتْ فَرْجَهَا وَاَطَاعَتْ بَعْلَهَا دَخَلَتْ مِنْ اَيِّ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَتْ))(۳)

''جب عورت اپنی پانچوں نمازیں پڑھے' اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرے اور اپنے خاوند کی اطاعت کرے تو جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے''۔

جب عورت اپنے خاوند کی اطاعت کرتی ہے تو وہ بہترین عورت شمار ہوتی ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ عورتوں میں سے بہترین عورت کون سی ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا:

((اَلَّتِي تَسُرُّهُ اِذَا نَظَرَ، وَتُطِيعُهُ اِذَا اَمَرَ وَلَا تُخَالِفُهُ فِي نَفْسِهَا وَمَالِهَا بِمَا يَكْرَهُ))(۴)

''وہ عورت کہ جب اس کا خاوند اس کی طرف دیکھے تو وہ اسے خوش کر دے' جب وہ اسے حکم دے تو وہ اس کی اطاعت کرے' اپنی ذات سے متعلق معاملات میں اپنے خاوند کی مخالفت نہ کرے اور اپنے مال کو اِس طرح سے صرف نہ کرے جس کو وہ ناپسند جانے''۔

بعض علماء کا کہنا ہے کہ بہترین بیویاں وہ ہوتی ہیں جو فرمانبردار' حیادار' سمجھ دار' بہت زیادہ بچے جننے والی' بہت زیادہ محبت کرنے والی' زبان کو احتیاط سے استعمال کرنے والی اور اپنے خاوند کی فرمانبرداری کرنے والی ہوں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو عورت یہ چاہتی ہے کہ اس کا خاوند اس کی بات مانے اسے چاہیے کہ وہ اپنے خاوند کی اطاعت کرے۔ شوہر کی اطاعت سے مراد یہ ہے کہ شوہر جس کام کا ارادہ کرے اس سے اس کام کے بارے میں جھگڑا نہ کرے' چاہے اس کی اپنی رائے کتنی ہی معتبر کیوں نہ ہو' کیونکہ شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری اس کے لیے افضل ہے۔ اس لیے کہ بعض اوقات چھوٹے چھوٹے اختلافات کے نتیجہ میں بڑے بڑے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور عورت جب اپنے بغض و عناد کو ایک طرف رکھ چھوڑے تو وہ مرد کو اکثر اوقات اپنی رائے کی طرف محبت سے مائل کر لیتی ہے۔

عورت جب اپنے خاوند کی اطاعت کرتی ہے تو اس کے ذریعہ سے وہ اپنے رب کی رضا حاصل کرتی ہے' اپنی زندگی کو مبارک بناتی ہے' اپنے بچوں کے لیے والدین کی اطاعت کی راہ ہموار کرتی ہے اور اولاد پر اپنی حکمرانی تسلیم کرواتی ہے۔ علاوہ ازیں یہ فرمانبرداری خاوند اور بیوی کے درمیان جھگڑے کو ختم کرنے میں کافی مدد دیتی ہے۔

② عورت اپنے آپ کو دوسروں کی نظروں سے بچائے' اجنبیوں سے پردہ کرے اور اپنی نگاہوں کو اُن کی طرف دیکھنے سے جھکائے رکھے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ﴾ (النور: ۳۰)

''آپ کہہ دیں اہل ایمان سے کہ وہ اپنی نگاہوں کو پست رکھیں''۔

مزید فرمایا:

﴿وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ﴾ (النور: ۳۱)

''اور آپ کہہ دیں اہل ایمان عورتوں سے کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں''۔

عورت کے اندر جس قدر اپنی نگاہ نیچی رکھنے کی عادت ہوگی یہ اس کے شوہر کے لیے اس کے خلوص پر دلیل ہوگی۔ اسی بات میں خوش بختی اور سعادت ہے اور یہ عادت بکھری ہوئی محبتوں کو اکٹھا کرنے اور اختلافات کو بالکل ختم کرنے کا باعث بنتی ہے۔

عورت پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ پڑوسیوں کے گھروں' بازاروں اور گلیوں میں سوراخ'

روشن دان یا کھڑکی سے نہ جھانکے۔ عورت کو اس بات سے بھی بچنا چاہیے کہ وہ بلاضرورت کسی اجنبی کی آواز سنے یا کوئی اجنبی اس کی شخصیت کے بارے میں جانے۔ اس کے لیے یہ بھی لازم ہے کہ اپنے خاوند کی غیر موجودگی میں اس کے کسی دوست کو اپنا تعارف نہ کروائے۔ اس کے خاوند کا کوئی دوست اگر اس کے خاوند کے بارے میں دریافت کرے اور وہ گھر پر نہ ہو تو اس کے سامنے نہ آئے' بلکہ پردے کے پیچھے سے اس سے گفتگو کرے اور اس سے اس کے کام اور اس کے نام کے بارے میں سوال کرے۔ اسے چاہیے کہ کلام کو طول نہ دے' تاکہ شیطان اس کلام کو اُس کے خاوند اور اُس کے دوست کے درمیان یا خود اس کے اور خاوند کے درمیان جدائی اور پھوٹ کا ذریعہ نہ بنا دے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِيْ مِنَ ابْنِ آدَمَ مَجْرَى الدَّمِ)) (۵)

''بے شک شیطان ابن آدم میں یوں دوڑتا ہے جیسا کہ خون اُس کی رگوں میں دوڑتا ہے۔''

③ عورت گھر میں ہر وہ خدمت سرانجام دے جس پر وہ قدرت رکھتی ہے

عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ صبح ہی صبح گھر کے کام کاج کے لیے کمر کس لے' تاکہ اس کا جسم اور عقل دونوں قوی ہوں اور مرض و بیماری اس سے بھاگ جائے اور گھر کے باقی افراد بھی اس کی اتباع میں صبح جلد بیدار ہو سکیں۔ روزانہ گھر میں جھاڑو دینا' اس کے فرش کو دھونا' جس چیز کے پکانے کی ضرورت ہو اُس کو پکانا' آٹا گوندھنا' روٹیاں پکانا' سینے پرونے کے کام کرنا' وقت اور ضرورت کے اعتبار سے گھر میں ٹھنڈا یا گرم پانی مہیا کرنا' یہ سب باتیں عورت کی توجہ طلب کرتی ہیں۔ عورت کو چاہیے کہ وہ اپنے گھر کے حالات کو سنوارنے کے لیے اپنی ہمت بڑھائے اور اس معاملے میں اپنی طاقت اور وسعت کے مطابق جتنا کر سکتی ہے کرے جو کہ عادت و عرف کے مطابق ہو۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے مجھ سے شادی کی اور آپؓ کے پاس مال یا کوئی دوسرا ساز و سامان نہ تھا سوائے گھوڑے اور اونٹ کے' تو میں ان کے گھوڑے کو گھاس دانہ ڈالتی تھی''۔ مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ: ''میں اُن کے گھوڑے کی دیکھ بھال کرتی تھی' ان کے اونٹ کے لیے کھجور کی گٹھلیاں کوٹتی تھی' پانی نکالتی تھی اور پانی نکالنے والے چمڑے کے ڈول کو سی بھی لیتی تھی اور آٹا گوندھتی تھی۔ میں دو میل کے فاصلے سے گٹھلیاں اٹھا کر لاتی تھی یہاں تک کہ حضرت ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھے خادم مہیا کر دیا جو گھوڑے کی نگرانی میں مجھے کفایت کر جاتا تھا' اور اس غلام نے تو جیسے مجھے آزاد کروا دیا ہو۔

ایک روز میں اپنے سر پر گٹھلیاں رکھے واپس آ رہی تھی تو مجھے اللہ کے رسول ﷺ نے پکارا اور کہا ''اِخْ اِخْ'' یعنی آپؐ اپنی اونٹنی کو بٹھانے لگے تاکہ مجھے اپنے پیچھے سوار کر سکیں' تو مجھے یہ شرم کی بات محسوس ہوئی کہ مَردوں کے ساتھ چلوں۔ مجھے زبیرؓ اور اُن کی غیرت یاد آ گئی' وہ لوگوں میں سب سے زیادہ غیرت مند تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے سمجھ لیا کہ میں شرم محسوس کر رہی ہوں۔ پھر میں زبیرؓ کے پاس آئی اور ان کو تمام قصہ سنایا تو انہوں نے کہا: ''اللہ کی قسم! تیرا سر پر گٹھلیاں اٹھانا مجھے اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ تیرے سوار ہونے سے زیادہ بھاری گزرا''۔ (۶)

④ اُس گھر سے خاوند کی مرضی کے بغیر نہ نکلے جس میں اس نے اس کو ٹھہرایا ہے

میں یہ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی﴾ (الاحزاب:۳۳)

''اور تم اپنے گھروں میں بیٹھی رہو اور سابق زمانۂ جاہلیت کی طرح بناؤ سنگھار کر کے باہر نہ نکلو''۔

جب خاوند اُس کو کسی ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دے تو شرم و حیا کا لباس پہن کر باہر نکلے۔ بناؤ سنگھار کر کے باہر نہ نکلے تاکہ اس کی زیب و زینت خائن آنکھوں کی توجہ کا باعث نہ بن جائے۔ بارونق سڑکوں اور بازاروں کے بجائے خالی راستوں پر سفر کرے۔ اگر وہ خاوند کی مرضی کے بغیر بلاضرورت گھر سے باہر نکلے گی تو گناہ گار ہوگی۔ اسی طرح گھر سے باہر نکلنے کے علاوہ گھر کی چھت پر یا اونچی جگہوں پر بغیر خاوند کی اجازت کے نہ چڑھے اور پڑوسیوں کے ہاں بھی خاوند کی اجازت سے ہی جائے۔

میرے خیال میں ضرورت کے تحت گھر سے نکلنے میں عورت کا ایک تو نماز کے لیے نکلنا ہے' کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَا تَمْنَعُوْا اِمَاءَ اللّٰهِ مَسَاجِدَ اللّٰهِ)) (۷)

''اللہ کی لونڈیوں کو مسجدوں سے مت روکو''۔

اسی طرح عورت کا گاہے بگاہے اپنے والدین سے ملنے کے لیے نکلنا بھی ضرورت کے تحت آتا ہے اور خاوند کو اُس سے منع نہیں کرنا چاہیے۔

جب عورت مسجد یا اس کے علاوہ کسی جگہ کے ارادے سے گھر سے نکلے تو زیب و زینت اختیار نہ کرے اور نہ ہی خوشبو لگائے' کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا قولِ مبارک ہے:

((اِذَا شَهِدَتْ اِحْدَاكُنَّ الْعِشَاءَ فَلَا تَطَيَّبْ تِلْكَ اللَّيْلَةَ)) (۸)

''جب تم عورتوں میں سے کوئی عشاء کی نماز کے لیے نکلے تو اُس رات خوشبو نہ لگائے''۔

امام ترمذی نے بھی یہ حدیث نقل کی ہے اور اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ ابن حبان نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے:

((اَلْمَرْاَةُ عَوْرَةٌ' فَاِذَا خَرَجَتِ اسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ)) (۹)

''عورت چھپانے کی چیز ہے' جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاکتا ہے''۔

اس حدیث میں ابن حبان نے یہ الفاظ زیادہ بیان کیے ہیں:

((وَاَقْرَبُ مَا تَكُوْنُ مِنْ رَّبِّهَا اِذَا هِيَ فِيْ قَعْرِ بَيْتِهَا)) (۱۰)

''اور عورت اپنے ربّ کے سب سے زیادہ قریب اُس وقت ہوتی ہے جب کہ وہ اپنے گھر میں گوشہ نشین ہو جائے''۔

امام حاکم نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

((اَيُّمَا امْـــرَاَةٍ اسْتَعْطَرَتْ ' فَخَرَجَتْ' فَمَرَّتْ عَلٰى قَوْمٍ لِيَجِدُوْا رِيْحَهَا فَهِيَ زَانِيَةٌ وَكُلُّ عَيْنٍ زَانِيَةٌ)) (۱۱)

''کوئی عورت جب خوشبو لگائے' پھر گھر سے نکلے اور کسی قوم پر سے اُس کا گزر ہو تو وہ عورت زانیہ و بدکار ہے اور اس کی طرف اٹھنے والی ہر آنکھ بھی زانیہ ہے''۔

یہ تو واضح ہے اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ مسلمان عورت کے اپنے گھر میں ٹھہرنے سے یہ مراد نہیں ہے کہ اس کو گھر میں قید کر دیا گیا ہے' جیسا کہ بعض دشمنانِ اسلام اس بات کا پروپیگنڈا کرتے ہیں' بلکہ اس کے برعکس عورت کو گھر میں ٹھہرنے کا حکم اسلام نے اس لیے دیا ہے تاکہ اس کی حفاظت ہو اور اُس کی عزت و تکریم بھی ہو۔ اس طرح وہ اجنبی مَردوں کے ساتھ میل جول سے بھی دُور رہے گی۔

اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ عورتوں کا اجنبی مَردوں کے ساتھ مخلوط محفلوں میں شرکت نہ کرنا اُن کی عزت اور وقار کو بڑھاتا ہے اور ایسی عورت قابلِ تعریف ہوتی ہے' کیونکہ

کتنے ہی مفاسد اور نقصانات ایسے ہیں جو کہ عورتوں کے مَردوں کے ساتھ اختلاط کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

اہل مغرب اس بات پر حیران ہیں اور انہیں یہ نہیں معلوم ہو رہا کہ کس طرح سے اپنے شہروں اور قوموں سے مَرد و زن کی مخلوط مجالس کے فتنے کو روکیں' اگرچہ انہیں اس بات کا پختہ یقین ہے کہ اِن مخلوط محفلوں کا انجام عورت کی ذلت و رسوائی' اخلاقِ رذیلہ کا پھیل جانا اور اخلاقیات و آداب کی موت ہے۔ چنانچہ مشہور رائٹر لیڈی کوک رسالہ ''ایلو'' میں لکھتی ہیں:

''جس قدر مخلوط محفلوں کا رواج ہوگا حرامی بچوں کی تعداد میں اضافہ ہوگا۔ عورت کے لیے اس سے بڑی آزمائش کیا ہو سکتی ہے کہ جو آدمی اس کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کرتا ہے بچے کی پیدائش پر اُس کو اُس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے اور وہ بے چاری فقر و فاقہ اور تکالیف برداشت کرتی ہے اور ذلت و حقارت اور ظلم و ستم کے مراحل سے گزرنے کے بعد بالآخر موت کے دروازے تک جا پہنچتی ہے۔ جہاں تک فقر و فاقہ کا تعلق ہے تو چونکہ وہ حاملہ ہوتی ہے لہٰذا بچے کا بوجھ' سر درد اور گرمی وغیرہ اس کے کمانے میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ اور جہاں تک مشقت و تکلیف کا معاملہ ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ وہ عورت معاشرے کی نگاہوں میں رذیل بن جاتی ہے اور اس تردّد میں مبتلا ہو جاتی ہے کہ اپنی ذات کے ساتھ کیا کرے۔ جہاں تک ذلت و رسوائی کی بات ہے تو اس سے زیادہ ذلت و رسوائی اور کیا ہو گی؟ اور جہاں تک موت کا تعلق ہے تو ایسی عورت خودکشی کے مشکل ترین راستے اختیار کرتی ہے۔ یہ اُس عورت کا حال ہے اور مَرد اِن تمام چیزوں سے لاتعلق رہتا ہے۔ اب ہمیں ان باتوں کی تحقیق کرنی چاہیے اور ایسا حل تلاش کرنا چاہیے جو اِن مصائب کو بالکل ختم نہ سہی کم از کم کر دے جن کی وجہ سے آج مغربی معاشرہ ذلت و رسوائی کی طرف جا رہا ہے۔ آج ہم ایسے راستے اختیار کریں جن کے ذریعہ ہم ان ہزاروں معصوم بچوں کو قتل ہونے سے بچا سکیں جن کا کوئی گناہ نہیں ہے''۔

اے والدین! تم کو وہ چند درہم جو کہ تمہاری بیٹیاں کارخانوں اور مختلف اداروں میں کام کر کے کما کر لاتی ہیں کہیں تمہیں اس انجام کی طرف نہ لے جائیں جس کا میں نے ذکر کیا ہے! انہیں مَردوں سے دُور رہنے کی تعلیم دو' انہیں اُن پوشیدہ جالوں کے بارے میں باخبر رکھو جن کو اُن کے لیے بچھایا جاتا ہے۔

اعداد و شمار کی رپورٹیں یہ بات واضح طور پر بیان کر رہی ہیں کہ جس قدر مخلوط محافل کی

تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے اسی تیزی سے آزمائش و مصائب میں اضافہ ہو رہا ہے۔ آج ہمارا معاملہ اس قدر سنگین ہو چکا ہے کہ اس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ افسوس اس بدنصیبی اور بدبختی پر!!

مشہور رائٹر مس آنی رود لکھتی ہیں:

''ہماری بیٹیاں اپنے گھر میں نوکروں کی طرح کام کریں' یہ ہمارے لیے زیادہ بہتر ہے اس سے کہ وہ باہر جا کر کارخانوں وغیرہ میں کام کریں۔ کیونکہ جب عورت باہر نکلتی ہے تو وہ آلودہ ہو جاتی ہے اور اس کی زندگی کی رونق ہمیشہ کے لیے رخصت ہو جاتی ہے۔ کاش کہ ہمارے شہر بھی اسلام کے شہروں جیسے ہوتے جہاں شرم و حیا ہے' پاکیزگی ہے' عزت ہے.....''

پچھلی بحث سے یہ نتیجہ نکلا کہ عورت کا اپنے گھر میں ٹھہرنا اسے بہت بڑی آزمائشوں اور آفات سے بچالیتا ہے اور شریعتِ اسلامیہ کے عورت کو گھر پر ٹھہرنے کے حکم کی مصلحت عورت کا فائدہ اور راحت ہے۔ اسلام عورت کو اُن چیزوں کی طرف لے جانا چاہتا ہے جن کی وجہ سے عورت کی شان' مرتبہ' راحت اور خوش نصیبی میں اضافہ ہو۔

⑤ خاوند کے گھر سے کوئی چیز اس کی اجازت کے بغیر نہ دے

عورت کے محاسن میں سے ہے کہ شوہر کے مال کو ضائع نہ کرے' چاہے وہ مال ذخیرہ کی شکل میں ہو' یا کھانے پینے کی چیزیں ہوں یا لباس ہو' بلکہ اس کی حفاظت کرے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے گی تو شوہر کے مال میں کمی ازدواجی محبت میں بھی کمی کا باعث ہو گی۔ اس طرح ازدواجی زندگی کی رونق ختم ہو جائے گی اور نیا پن پرانا ہو جائے گا اور یہی کوتاہی نفرت کا سبب اور ضد کی وجہ بن جائے گی۔ اسی وجہ سے بیوی کا یہ فرض ہے کہ مال کو ضائع کرنے سے بچے اور اس مال کو نفع بخش بنانے اور بڑھانے کی طرف توجہ دے۔ چنانچہ اگر وہ شوہر کے مال میں سے کچھ مال فقیر کو یا کسی اور کو دے دے' چاہے وہ کتنا ہی تھوڑا کیوں نہ ہو' تو یہ شوہر کی اجازت سے ہو' یا کم از کم اس کے علم میں ہونا چاہیے۔

سنن ابی داؤد اور سنن الترمذی میں ایک حدیث ہے' جسے امام ترمذی نے حدیث حسن کہا ہے۔ حضرت ابوامامہ الباہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

((لَا تُنْفِقِ امْرَاَةٌ شَيْئًا مِنْ بَيْتِ زَوْجِهَا اِلَّا بِاِذْنِ زَوْجِهَا)) قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَا الطَّعَامُ؟ قَالَ :((ذَالِكَ اَفْضَلُ اَمْوَالِنَا)) (۱۲)

''کوئی عورت اپنے شوہر کے گھر سے اس کی اجازت کے بغیر کوئی چیز خرچ نہ کرے''۔
آپؐ سے کہا گیا: کیا کھانا بھی؟ تو آپؐ نے فرمایا: ''یہ تو ہمارا بہترین مال ہے''۔
اور اگر وہ عورت شوہر کی اجازت سے خرچ کرے گی تو دونوں اجر میں برابر ہوں گے' کیونکہ مرد نے کمایا اور اجر پایا' جبکہ عورت اس مال کا صدقہ کر کے اجر حاصل کرتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((اِذَا اَنْفَقَتِ الْمَرْاَةُ مِنْ طَعَامِ بَيْتِهَا غَيْرَ مُفْسِدَةٍ كَانَ لَهَا اَجْرُهَا بِمَا اَنْفَقَتْ وَلِزَوْجِهَا اَجْرُهُ بِمَا كَسَبَ وَلِلْخَازِنِ مِثْلُ ذٰلِكَ لَا يَنْقُصُ بَعْضُهُمْ اَجْرَ بَعْضٍ شَيْئًا)) (۱۳)

''جب عورت اپنے گھر کے کھانے میں سے کچھ اللہ کی راہ میں دیتی ہے تو جتنا وہ دیتی ہے اُسی قدر اُس کو اجر ملتا ہے بشرطیکہ یہ دینا بغیر کسی فساد کے ہو' اور اس کے شوہر کو بھی اجر ہوگا کیونکہ اس نے کمایا اور منتظم کے لیے بھی ایسا ہی اجر ہوگا' اور بعض کی وجہ سے بعض کا اجر کم نہ ہوگا''۔

⑥ خاوند کی مرضی کے بغیر نفلی روزہ نہ رکھے

جب عورت خاوند کی موجودگی میں اس کی مرضی کے بغیر نفلی روزہ رکھے گی تو محض بھوکی پیاسی رہے گی' بلکہ اسے اس روزے کا گناہ بھی ہوگا اور وہ اس سے قبول نہ کیا جائے گا۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ عورت کا نفلی روزہ اس کے خاوند کی مرضی کے بغیر بالکل صحیح نہیں ہوتا۔ یہ تو نفلی روزوں کی بات ہے' البتہ جہاں تک فرض روزوں کا تعلق ہے تو اُس میں وہ خاوند کی اجازت کی محتاج نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((لَا تَصُمِ الْمَرْاَةُ وَبَعْلُهَا شَاهِدٌ اِلَّا بِاِذْنِهِ)) (۱۴)

''عورت کو اپنے خاوند کی موجودگی میں اس کی مرضی کے بغیر (نفلی) روزہ نہیں رکھنا چاہیے''۔

⑦ خاوند کی غیر موجودگی میں اپنے کاموں کو سمیٹ لے اور اس کے آنے کے بعد اُس کے ساتھ دل لگی اور کھیل میں مشغول ہو اور اسے اسبابِ فرحت فراہم کرے

اس عورت میں کوئی خیر نہیں ہے جو اپنے خاوند کو اِس حال میں ملے کہ اس کا دل تنگ ہو'

ماتھے پر تیوری چڑھی ہوئی ہو' کپڑے میلے ہوں' بدن پر گندگی ہو' اداسی چھائی ہو' چہرہ پژمردہ ہو۔ ایسی حرکات کر کے عورتیں شیطان کے لیے دروازہ کھول دیتی ہیں اور لڑائی جھگڑے اور اختلاف کا راستہ آسان بنا دیتی ہیں۔ ایسی حرکات ازدواجی زندگی کی بنیادوں کو منہدم کرنے کے لیے کافی ہیں اور خاندانی نظام کو بگاڑنے میں عورت کی ایسی حرکات کا بہت عمل دخل ہوتا ہے۔ پس عورت کو ایسی بری عادات سے بچنا چاہیے اور اسے خاوند کو مسکراہٹ اور فرحت کے ساتھ ملنا چاہیے۔ اسے چاہیے کہ تمام امور میں اپنے خاوند کی خوشی اور رضا کی متلاشی رہے اور جب خاوند سے ملے تو خوشبو لگا کر' میک اپ کر کے' جسم کو صاف ستھرا کر کے ملے۔ اسی طرح اپنے کپڑوں اور گھر کے ساز و سامان کو بھی صاف رکھے اور اپنے آپ سے پسینہ اور میل کی بدبو کو دور کرتی رہے۔ اپنے خاوند کے سامنے ایسے کھانے تیار کر کے پیش کرے جن کی وہ فرمائش کرے اور جن میں اس کی رغبت ہو۔

میں یہ کہتا ہوں کہ جب عورت یہ کام کرے تو وہ ان عورتوں میں سے ہو گی جن کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ نے گواہی دی ہے کہ وہ بہترین عورتیں ہیں۔ جب آپ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ ''کون سی عورت بہترین ہے؟'' تو آپؐ نے فرمایا:

((اَلَّتِیْ تَسُرُّهٗ اِذَا نَظَرَ اِلَیْهَا)) (۱۰)

''وہ عورت جو اپنے خاوند کو خوش کر دے جب وہ اُس کی طرف دیکھے''۔

ایک بزرگ خاتون نے اپنی بیٹی کو شادی کے وقت درج ذیل نصیحت کی: اے میری بچی! اپنے بدن کی صفائی سے غافل نہ ہونا' بے شک بدن کا صاف رکھنا تیرے چہرے کو روشن کر دے گا' تیرے شوہر کی تیرے ساتھ محبت میں اضافے کا باعث ہو گا' تجھ سے مختلف امراض اور بیماریوں کو دُور کر دے گا اور تیرے جسم کو عمل پر آمادہ کرے گا۔ بدبودار عورت طبیعت پر ناگوار گزرتی ہے اور آنکھیں اور کان اس سے نفرت کرتے ہیں۔ اور جب تو اپنے شوہر سے ملے تو ہنستے مسکراتے چہرے کے ساتھ مل' کیونکہ محبت جسم ہے اور اس کی روح چہرے کی تروتازگی ہے۔

⑧ خاوند کو اُس کام کی ذمہ داری نہ سونپے جس کی وہ طاقت نہیں رکھتا اور نہ ہی اس سے اپنی ضرورت سے زائد کا مطالبہ کرے

عورت پر یہ بات لازم ہے کہ اپنے شوہر کے ساتھ میانہ روی اور حسن تدبیر کے ساتھ زندگی گزار کر اس کی مدد کرے' اللہ نے جو رزق دے دیا ہے اس پر قناعت کرے اور اپنے

خاوند سے زیادہ کھانے یا لباس کا مطالبہ نہ کرے' کیونکہ حرص کی ہوا محبت کی آگ کو بجھا دیتی ہے اور ناپسندیدگی کا گرد و غبار اڑاتی ہے۔ قناعت و میانہ روی عورت کی بہترین صفات میں سے ہے اور جب عورت کو قناعت مل جاتی ہے اور وہ اچھے اخلاق کو حاصل کر لیتی ہے تو یہ ممکن ہے کہ تھوڑے رزق کو تدبیر کے ذریعہ نفع بخش بنا لے اور اس میں اچھا تصرف کرے۔ اس کی قناعت کے ذیل میں یہ بھی آتا ہے کہ وہ حرام سے بچ جائے' کیونکہ حرام کے کھانے میں ابدی ہلاکت ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کا قول ہے:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ ' اَلنَّارُ اَوْلٰى بِهٖ)) (١٦)

''وہ جسم جنت میں نہ جائے گا جو حرام سے پروان چڑھا' وہ آگ کا زیادہ حق دار ہے''۔

اسلاف کی عورتوں کی عادت تھی کہ جب کوئی مرد گھر سے باہر کمانے کے لیے نکلتا تو اس کی بیوی یا بیٹی کہتی: حرام کمائی سے بچنا' بے شک ہم بھوک اور تکلیف تو برداشت کر لیں گے' لیکن آگ پر صبر نہیں کر سکتے۔ عورت کو چاہیے کہ اپنے خاوند کی تنگی یا مزاج کی خرابی کی وجہ سے دل چھوٹا نہ کرے اور اس کے حالات تبدیل ہونے کی وجہ سے خود بھی تبدیل نہ ہو جائے' بلکہ تمام حالات کا مقابلہ صبر و رضا سے کرے۔ پس آزاد عورت تو وہ ہے جو تنگی میں بھی خاوند کے ساتھ ایسے ہی رہے جیسا کہ آسانی کے حالات میں۔ ہم نے ایسی فضیلت والی عورت کو بھی دیکھا ہے جو ہمیشہ تنگی کے ایام میں اپنے خاوند کی مدد کرتی ہے اور اس کے ساتھ تنگی کی مشکلات کو برداشت کرتی ہے۔ چنانچہ وہ قطرہ قطرہ اکٹھا کر کے اپنی ضروریاتِ زندگی کو پورا کرتی اور اپنی مفلسی کو دُور کرتی ہے اور اس طرح سے راضی ہوتی ہے' صبر کرنے والی ہوتی ہے اور وہ جانتی ہے کہ خوشحالی کا انتظار افضل عبادت ہے' اور یہ کہ تنگی کے ساتھ آسانی بھی ہوتی ہے اور دنیا کی نعمتیں بعض اوقات آخرت میں آزمائش بن جاتی ہیں اور خوش بختی بعض اوقات بدبختی بن جاتی ہے۔

⑨ اپنے دینی فرائض کو ادا کرنے کی کوشش کرے

عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی نماز' روزہ اور تمام دوسرے فرائض کو باقاعدگی سے ادا کرے۔ صبح سویرے بستر سے اٹھنے کے بعد اس کا پہلا عمل یہ ہونا چاہیے کہ وہ فجر کی نماز ادا کرے اور اس کے لیے اپنی اولاد کو بھی بیدار کرے تاکہ اس طرح سے اپنی اولاد اور شوہر کے لیے نماز ادا کرنے کے راستہ کو آسان بنائے۔ عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ سے

بہت زیادہ ڈرنے والی ہو' اپنی عبادت کا شوق رکھنے والی ہو' اللہ کی طرف سے عائد کردہ فرائض کو جاننے والی ہو اور اپنے دینی معاملات پر کسی شے کو مقدم نہ کرے۔

ابن حبان کی حدیث ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

((اِذَا صَلَّتِ الْمَرْاَۃُ خَمْسَھَا وَصَامَتْ شَھْرَھَا وَحَفِظَتْ فَرْجَھَا وَاَطَاعَتْ زَوْجَھَا دَخَلَتْ جَنَّۃَ رَبِّھَا)) (۱۷)

''جب عورت پانچ وقت کی نماز ادا کرے' (رمضان کے) مہینے کے روزے رکھے' اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے تو اپنے ربّ کی جنت میں داخل ہو جائے گی''۔

⑩ اپنے شوہر کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور اسے دوسروں پر ترجیح دے

عورت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے شوہر کے حق کو اپنی ذات اور اپنے باقی رشتہ داروں کے حقوق پر ترجیح دے۔ شوہر کے ساتھ نیکی کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس کے گھر والوں کا احترام کرے اور خاص طور پر اس کی ماں کا' کیونکہ وہ اس کی شادی کا سبب بنتی ہے۔ اسے چاہیے کہ گھر کی ذمہ داری اور باگ ڈور اپنے شوہر کی ماں کے سپرد کر دے' اس کی بات مانے اور اس کی نصیحتوں پر عمل کرے۔ اکثر اوقات ماں اور بیوی کے درمیان اختلافات نکاح کے ٹوٹنے کا باعث بن جاتے ہیں' یا پھر خاوند ماں کی نافرمانی کرنے لگ جاتے ہیں اور اپنے ربّ کی رضا حاصل نہ کرنے کی وجہ سے خسارہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

شوہر کے ساتھ نیکی کرنے سے مراد ہے کہ جو وہ گھر میں لے کر آتا ہے اس پر اس کا شکریہ ادا کرے' چاہے وہ کھانے کی چیز ہو' کپڑے ہوں' پینے کی چیز ہو' پھل ہوں' گھر کا سامان وغیرہ ہو' کیونکہ منحوس عورتوں کی نشانی ہے کہ وہ اچھی باتوں پر تعریف نہیں کرتیں اور معروف باتوں کا انکار کرتی ہیں۔

میں یہ کہتا ہوں کہ شوہر کا شکر ادا نہ کرنا اور اس کے اچھے سلوک کا انکار کرنا یہ اُن صفات میں سے ہے جو کہ اکثر عورتوں کو جہنم میں داخل کریں گی' خاص طور پر دوسری خصلت کہ عورت کا کثرت سے اپنے شوہر کو لعن طعن کرنا۔ حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((یَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ فَاِنِّیْ رَاَیْتُکُنَّ اَکْثَرَ اَھْلِ النَّارِ)) فَقُلْنَ وَبِمَا ذٰلِکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ :((تُکْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَکْفُرْنَ الْعَشِیْرَ)) (۱۸)

''اے عورتوں کی جماعت! تم صدقہ کیا کرو' کیونکہ میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم اکثر جہنم میں ہو''۔ انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! ایسا کیوں ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا: ''تم کثرت سے لعن طعن کرتی ہو اور اپنے خاوند کی ناشکری کرتی ہو''۔

اور جب شوہر پر تنگی ہو یا وہ کسی دن اپنے فرائض کو ادا کرنے میں کوتاہی کرے تو اے میری مسلمان بہن! یہ مت بھول کہ اس نے تیرے ساتھ سابقہ ایام میں کیا بھلائیاں کی ہیں اور اللہ کے اس قول کو یاد کر:

﴿وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ط﴾ (البقرۃ:۲۳۷)

''اپنے درمیان ایک دوسرے پر احسان کرنے کو مت بھولو''

اور ان عورتوں میں سے نہ ہو جن کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَوْ اَحْسَنْتَ اِلٰى اِحْدَاهُنَّ الدَّهْرَ' ثُمَّ رَاَتْ مِنْكَ شَيْئًا قَالَتْ :مَا رَاَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ)) (۱۹)

''اگر تو ان میں سے کسی ایک کے ساتھ عمر بھر اچھائی کرتا رہے' پھر کسی دن اس کو تمہاری طرف سے کوئی ناگوار بات پہنچ جائے تو کہتی ہے کہ میں نے تو تیری طرف سے خیر کبھی دیکھی ہی نہیں ہے''۔

اس کی نیکی میں یہ بھی شامل ہے کہ اپنی اولاد کی تربیت کرے' ان کے ساتھ شفقت سے پیش آئے اور اولاد کی خاطر جو تکالیف دورانِ حمل و مابعد حمل اٹھانی پڑتی ہیں اُن کو برداشت کرے۔ بچوں کو بددعا نہ دے' ان کو سادہ زندگی اور مشکلات کو برداشت کرنے کا عادی بنائے' ان کے نظریات کو مہذب بنائے' دوسروں کا ادب کرنا سکھائے' ان کے دلوں میں ایمان و اسلام کی محبت ڈالے۔ نیکی کے کام ان کے نزدیک پسندیدہ بنائے اور ان کو برائی سے نفرت دلائے۔ (جاری ہے)

حواشی

۱) صحیح البخاری' کتاب النکاح' باب الاکفاء فی الدین۔ وصحیح مسلم' کتاب الرضاع' باب استحباب نکاح ذات الدین۔

۲) ابن حبان' ح ۴۱۵۹۔ و ابن ماجه' کتاب النکاح' باب حق الزوج علی المرأة۔

۳) ابن حبان' ح ۴۱۵۱۔

۴) سنن النسائی' کتاب النکاح' باب ای النساء خیر ۔ ومسند احمد ۲/۲۵۱۔

۵) صحیح البخاری' کتاب الاعتکاف' باب ھل یدرأ المعتکف عن نفسہ۔ وصحیح مسلم' کتاب السلام' باب بیان انہ یستحب لمن رئیی خالیا بامراۃ وکانت زوجتہ۔

٦) صحیح البخاری' کتاب النکاح' باب الغیرۃ۔ وصحیح مسلم' کتاب السلام' باب جواز ارداف المرأۃ الاجنبیۃ اذا اعیت فی الطریق۔

۷) صحیح البخاری' کتاب الجمعۃ' باب ھل علی من لم یشھد الجمعۃ غسل من النساء والصبیان۔ وصحیح مسلم' کتاب الصلاۃ' باب خروج النساء الی المساجد اذا لم یترتب علیہ فتنۃ۔

۸) صحیح مسلم' کتاب الصلاۃ' باب خروج النساء الی المساجد اذا لم یترتب علیہ فتنۃ۔

۹) سنن الترمذی' کتاب الرضاع' باب ما جاء فی کراھیۃ الدخول علی المغیبات۔ وابن حبان' ح ۵۵٦۹۔

۱۰) ابن حبان' ح ۵۵٦۹' ۵۵۷۰۔

۱۱) المستدرک۔

۱۲) سنن الترمذی' کتاب الزکاۃ عن رسول اللہﷺ' باب فی نفقۃ المرأۃ من بیت زوجھا۔ وسنن ابی داؤد' کتاب البیوع' باب فی تضمین العور۔

۱۳) صحیح البخاری' کتاب الزکاۃ' باب من خادمہ بالصدقۃ ولم یناول بنفسہ۔ وصحیح مسلم' کتاب الزکاۃ' باب اجر الخازن الامین والمرأۃ اذا تصدقت من بیت۔

۱٤) صحیح مسلم' کتاب الزکاۃ' باب ما انفق العبد من مال مولاہ۔ وصحیح البخاری' کتاب النکاح' باب صوم المرأۃ باذن زوجھا تطوعا۔

۱۵) مسند احمد ۲/۲۵۱۔

۱٦) مسند احمد۳/۳۲۱' ۳۹۹۔ وابن حبان' ح ۱۷۲۳۔

۱۷) ابن حبان' ح ٤۱۵۱۔

۱۸) صحیح البخاری' کتاب الزکاۃ' باب الزکاۃ علی الاقارب۔

۱۹) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب کفران العشیر وکفر دون کفر۔ وصحیح مسلم' کتاب الکسوف' باب ما عرض علی النبی ﷺ فی صلاۃ الکسوف من امر الجنۃ۔

تعارف وتبصرہ

تبصرہ نگار: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

(۱)

نام کتابچہ : سورۃ یٰسٓ (فضائل، بلاغت، اہم مضامین)

مرتبین : خلیل الرحمٰن چشتی، محمد خان منہاس

ضخامت : 64 صفحات ۔ قیمت: 50 روپے

ملنے کا پتہ: ☆الفوز اکیڈمی، E-11/4 اسلام آباد

☆ادارہ منشورات اسلامی، بالمقابل منصورہ، ملتان روڈ لاہور

سورۃ یٰسٓ قرآن مجید کی ایک اہم سورت ہے جو ہمارے معاشرے میں مقبول و معروف ہے۔ اوراد و وظائف کی کتابوں میں اس کے فضائل مذکور ہیں۔ بہت سے لوگ اسے روزانہ پڑھتے ہیں۔ زیر تبصرہ کتابچے میں سورۃ یٰسٓ کا متن اور ترجمہ دیا گیا ہے۔ مزید برآں نہایت ہی مؤثر انداز میں مختلف عنوانات کے تحت اس کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ یہ سورۃ یٰسٓ کی تفسیر نہیں بلکہ اس کے معانی و مطالب سمجھنے کے لیے اور غور و فکر کے لیے مختلف پہلوؤں کی وضاحت ہے۔ بتایا گیا ہے کہ اس سورت کا مرکزی مضمون اللہ کی طاقت، قدرت، اختیار اور غیر اللہ کی بے اختیاری اور بے بسی ہے۔

اس کے علاوہ چند دوسرے عنوانات اس طرح ہیں: سورۃ کی جلالی فضا، مخصوص استعارے، سورۃ کا نظمِ جلی، توحید کی اقسام، غیر اللہ کی بے اختیاری، مشرکین مکہ کے اعتراضات، منکرین کا انجام، تمام رسولوں کی دعوت اور ان کا ردِّ عمل، قرآن اور اس کی صفات، عقیدۂ آخرت اور سورۃ کی بلاغت۔

قرآن کریم کے الفاظ اور معانی پر غور و فکر کر کے حقیقت تک پہنچنے کی خواہش رکھنے والوں کے لیے یہ کتابچہ نہایت کارآمد اور مفید ہے۔ کتابچے کا ٹائٹل خوبصورت ہے۔ البتہ قیمت کچھ زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ اگر قیمت کم ہوتی تو اس کی افادیت سے زیادہ سے زیادہ لوگ فیض پا سکتے تھے۔

(۲)

نام کتاب : مثالی استاد (حصہ اوّل)

مصنف : محمد حنیف عبدالمجید

ضخامت : 392 صفحات ۔ قیمت: درج نہیں

ملنے کا پتہ: ☆ مکتبہ بیت العلم G-29 گراؤنڈ فلور اسٹوڈنٹ بازار نزد مقدس مسجد اردو بازار کراچی

☆ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور

''مثالی استاد'' (حصہ اوّل) معروف عالم دین مولانا محمد حنیف عبدالمجید کی کتاب ہے۔ موصوف کئی دوسری کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ ان کی کتابیں اصلاحی عنوانات پر ہیں جو صحیح اسلامی معاشرہ کے قیام کی جدوجہد میں ٹھوس راہنمائی مہیا کرتی ہیں۔ ''مثالی استاد'' میں انہوں نے معلم کو اُس کے حقوق و فرائض سے بڑے دل نشین انداز میں آگاہ کیا ہے۔ چونکہ معلم کا کام نئی پود کی راہنمائی کرنا ہے اس لیے اُس کی شخصیت کردار سازی میں نمونہ ہونی چاہیے۔ اسی جذبے کے تحت یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ دینی مدارس اور دیگر ہر طرح کے تعلیمی اداروں کے اساتذہ کے لیے اس میں مفید معلومات یکجا کر دی گئی ہیں۔ کامیاب اور ہر دلعزیز استاد بننے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔

عنوان کے اعتبار سے تو یہ مثالی استاد کے علم و عمل اور اخلاق و کردار پر روشنی ڈالتی ہے، مگر یہ سب لوگوں کے لیے انتہائی مفید معلومات فراہم کرتی ہے، کیونکہ ہر شخص کسی نہ کسی اعتبار سے دوسروں کی راہنمائی پر مامور ہے۔ دفتر میں آفیسر، کارخانے میں کارخانہ دار، دکان میں دکاندار، گھر میں میاں بیوی، غرض ہر ادارے میں جو ذمہ دار افراد ہیں اس کتاب میں اُن سب کے لیے رہنمائی موجود ہے۔ بڑی شاہکار تصنیف ہے، اس کا مطالعہ ہر طبقے کے افراد کے لیے مفید رہے گا۔

کمپوزنگ کی چند ایک اغلاط موجود ہیں جن کی اصلاح ضروری ہے۔ کتاب کا ٹائٹل خوبصورت اور جلد مضبوط ہے۔

(۳)

نام کتاب : سوانح شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

مرتب : مولانا عبدالقیوم حقانی

ضخامت : 272 صفحات ۔ قیمت: 120 روپے

ناشر: القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ، برانچ پوسٹ آفس، خالق آباد، نوشہرہ (سرحد)

مولانا عبدالقیوم حقانی صاحبِ طرز ادیب اور معروف عالم دین ہیں۔ وہ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ علمائے اُمت کی خدمات کو اجاگر کرنا آپ کے مزاج کا حصہ ہے۔ مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے سوانح حیات اُن کے اسی جذبے کا مظہر ہیں۔

شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ پر بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے مختلف کتابوں اور شخصیات سے استفادہ کر کے حضرت کے سوانح یکجا کر دیے ہیں۔ یہ کتاب سترہ ابواب پر مشتمل ہے، جن میں آپ کے حسب و نسب، خاندانی حالات، تحصیل علم دینی، اکابر اساتذہ خصوصاً شیخ الہند مولانا محمود حسن سے اکتسابِ فیض، اسارتِ مالٹا، استخلاصِ وطن کی جدوجہد، مدینہ منورہ میں درس قرآن و حدیث، دارالعلوم دیوبند میں تدریسی اور انتظامی ذمہ داری اور ذوقِ شعر و ادب کے تذکرے خوبصورت انداز میں ملتے ہیں۔ بزرگوں کے سوانح نوجوان نسل کے لیے محنت کی عظمت واضح کرنے کا مؤثر ذریعہ ہوتے ہیں۔ شیخ الاسلام کے یہ سوانح یقیناً بعد میں آنے والوں کے لیے جرأت، حق گوئی، خدمت خلق، ایثار و توکل، ذوقِ عبادت، شوقِ تلاوت، حبِ رسول، خدمتِ استاد اور استقامت کا درس لیے ہوئے ہیں۔

سنت نبویؐ کی پیروی کرنے والوں کو مخالفانہ سرگرمیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ آپ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ مخالفوں کی طعن و تشنیع اور الزام تراشی کے علاوہ آپ کو قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں مگر آپ کے پائے استقامت میں لرزش نہ آئی۔ اس کا تذکرہ بھی اس کتاب میں ملے گا۔

حقانی صاحب کی یہ کوشش بھی قابل تعریف و تحسین ہے۔ مدارس کے طلبہ کے لیے اس کتاب کا مطالعہ بہت مفید رہے گا۔ کتاب کی جلد مضبوط اور ٹائٹل خوبصورت ہے۔

ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور کا

تحریک پاکستان نمبر

زیرادارت: سید قاسم محمود

پوری آب وتاب کے ساتھ شائع ہوگیا ہے

یہ دستاویزی شمارہ پانچ حصوں پر مشتمل ہے:

(1) پہلی جنگ آزادی سے قیام کانگریس تک (1857ء-1885ء)

(2) علی گڑھ تحریک سے تقسیم بنگال تک (1886ء-1905ء)

(3) قیام مسلم لیگ سے خطبہ الٰہ آباد تک (1906ء-1930ء)

(4) خطبہ الٰہ آباد سے دوسری جنگ عظیم تک (1930ء-1939ء)

(5) قرارداد لاہور سے قیام پاکستان تک (1940ء-1947ء)

عام قارئین اور طالب علموں کے لئے یکساں مفید

90 صفحات پر مشتمل اس گراں قدر خصوصی شمارے کی قیمت 50 روپے ہے

(بذریعہ ڈاک طلب کرنے والے حضرات اگر قیمت بذریعہ منی آرڈر یا ڈاک ٹکٹوں کی صورت میں پیشگی ارسال کردیں گے تو رجسٹرڈ ڈاک کے اخراجات مکتبہ برداشت کرے گا۔ وی پی پی منگوانے کی صورت میں ڈاک خرچ 20 روپے بذمہ خریدار ہوگا)

نوٹ: سابقہ خصوصی اشاعتوں میں سے سقوطِ ڈھاکہ نمبر، کشمیر نمبر اور نظریہ پاکستان نمبر محدود تعداد میں دستیاب ہیں۔

مکتبہ خدام القرآن لاہور

K-36 ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 03-5869501